ماہنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

March 2026





وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ
مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 46 No. 05 March 2026
Ramzan/ Shawal1447 AH
جلد: 46 شمارہ: 05 مارچ 2026ء
رمضان رشوال: 1447ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRATE-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk



کنیسا کی قیادت عورت کے سپرد؛
وجودِ زن سے ہے تصویرِ کنیسا میں رنگ

مولانا عبدالہادی العمری

عالم عیسائیت کی اہم اور بڑی شاخ چرچ آف انگلینڈ کی روحانی قیادت اور امامت کے لئے تاریخ میں پہلی مرتبہ آرچ بشپ آف کنٹابری Archbishop of Canterbury کی حیثیت سے ایک خاتون کو منتخب کیا گیا ہے، شاہی موافقت کے بعد اس ماہ سے انہوں نے برطانیہ کی مرکزی کنیسا میں امامت کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں، اس اعلیٰ منصب پر برطانیہ میں فائز ھونے والوں کی فہرست میں ان کا نمبر ایک سو چھ ہے، ان سے پہلے ایک سو پانچ مرد رہنماوں نے یکے بعد دیگرے یہ عہدہ سنبھالا، یہ پہلی خاتون ہیں جو اس عہدہ پر متمکن ہوئیں، اگر چہ کہ چرچ آف انگلینڈ کا سربراہ انگلستان کا بادشاہ ہوتا ہے لیکن ان کے لئے یہ ایک رسمی اور علامتی عہدہ ہے، ورنہ مذھبی اختیارات اور یومیہ دینی ذمہ داریوں کی انجام دھی عبادات، نکاح، جنازہ، فتاوی وغیرہ آرچ بشپ کے سپرد ہوتے ہیں، بنیادی طور پر یہ مذھبی اور روحانی نوعیت کا عہدہ ہے لیکن اس کا سیاسی اور سماجی معاملات میں قابل لحاظ وزن ھوتا ھے، اس عہدہ کے بعد وہ برطانوی پارلیمنٹ ھوس آف لارڈز کا مستقل رکن شمار ھوگا اس کے لئے گرانقدر تنخواہ، عالی شان رھائش Lambeth palace جو دریائے ٹیمز کے کنارہ واقع ہے اور دیگر بہت سی سہولتیں حاصل ھوتی ہیں۔

ماضی میں برطانیہ کا مذھب رومن کیتھولک ہی تھا، سن 1553ء کنگ ہنری ششم کے دور میں چرچ آف انگلینڈ کا مستقل وجود کیتھولک سے علیحدگی کی شکل میں ہوا، یہ دراصل کیتھولک میں پائی جانے والی غیر ضروری مذھبی سختیوں اور پابندیوں کے خلاف اعلان بغاوت تھا، مثلاً نصرانی جوڑے کے لیے ایک بار رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں تو طلاق کی سہولت نہیں تھی چاہے حالات کچھ بھی ہوں، چرچ کے امام اور پیشوا کے لے بیوی بچے رکھنے کی اجازت نہیں تھی، ان کے لیے ضروری ہے کہ ان کثافتوں سے خود کو پاک و صاف رکھیں، لیکن چرچ آف انگلینڈ میں اجازت دی گئی۔ بہر حال نصرانیت میں وقتاً فوقتاً ان فقہی اور مذہبی تبدیلیوں کے باوجود زمینی حقائق یہ ہیں کہ نصرانیت کی کشتی مادیت کے سمندر میں ہچکولے کھا رہی ہے، بیشتر نصاریٰ کا حال یہ ہے کہ وہ خاندانی یا صرف جذباتی طور پر خود کو کرسچن کہتے یا شمار کرتے ہیں ورنہ عقیدہ و اعمال کے اعتبار سے وہ مذہب سے بہت دور لادینی کے دلدل میں پھنسے ہوے ہیں اور آئے دن اس سوسائٹی میں مادیت کا کلچر غالب آرہا ہے، دین و دنیا کی کشمکش میں دینی اور روحانی پلڑا بہت ہی ہلکا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے مختلف اسباب میں سے ایک مذھبی پیشواؤں کی بے جا ضد، غیر منطقی اسلوب، مسائل میں جمود اور اکابر پرستی پر اصرار ہے۔

چرچ آف انگلینڈ میں کی جانے والی مختلف تبدیلیوں میں سے ایک عورت کی امامت اور مذہبی قیادت کا مسئلہ ہے، اس نئی تبدیلی کے متعلق مختلف تبصرے اور تجزیے کئے جارہے ہیں، رومن کیتھولک ہنوز عدم جواز پر قائم ہے ان کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ سیدنا عیسی علیہ السلام کے حواری صرف مرد تھے، لہٰذا امامت صرف مردوں کی ہوگی، البتہ دیگر ذیلی شعبوں کی حد تک خواتین کو موقع دیا جاسکتا ہے۔ لیکن امامت ان کے حوالہ نہیں کی جاسکتی، ان تبصروں کو پڑھ کر ہمارے ذہن میں رسول اکرم ﷺ کی ایک حدیث گردش کرنے لگی، عہد نبوی میں جب فرمانروائے کسری شیرویہ پرویز ھرمز کی ھلاکت کے بعد اس کی بیٹی بوران کو اس منصب پر براجمان کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة» (صحیح بخاری: 7099)

"اب یہ قوم کامیابی سے ھمکنار نہیں ہو گی جنھوں نے اپنی قیادت ایک عورت کے سپرد کردی ہے۔" گو کہ یہ فرمان نبوی ﷺ ایک خاص پس منظر سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس میں ایک تلمیح بھی پائی جاتی ہے غور کرنے والوں کے لئے۔

یہاں یہ واضح کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم خواتین کے عبادت گاہوں میں آنے کے خلاف نہیں، نہ ہی شریعت اسلامیہ میں ممانعت کی گنجائش ہے، کیونکہ یہاں تو حکم ہے:

عن عبد الله بن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول لا تمنعوا نساءكم المساجد إذا استأذنكم اليها (صحیح بخاری: 873؛ صحیح مسلم: 442)

کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ م کو فرماتے ہوے سنا ہے کہ اپنی عورتوں کو مساجد جانے سے نہ روکو اگر وہ تم سے اس کی اجازت طلب کریں، اس اعتبار سے انہیں منع کرنا اس صریح حکم کی خلاف ورزی ھوگی، ایک اور حدیث ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال لا تمنعوا إماء الله مساجد الله ليخرجن تفلات (سنن ابوداؤد: 565)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کی بندیوں کو مساجد سے نہ روکو، البتہ ان کے لئے آداب یہ ہیں کہ جو خواتین مساجد میں آئیں وہ بغیر کسی میک اَپ اور بناؤ سنگھار کے آئیں۔

عہد نبوی میں خواتین نماز فجر اور عشاء کے لئے بھی آیا کرتی تھیں۔

عن عائشة قالت ان كان رسول الله ﷺ ليصلي الصبح فينصرف النساء متلفعات بمروطهن ما يعرفن عن الغلس (صحیح بخاری: 867)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھاتے تو عورتیں نماز کے بعد اپنی چادروں میں لپٹی واپس ہوتیں اور تاریکی کی وجہ سے انہیں کوئی پہچانتا نہیں تھا۔

عن عائشة قالت اعتم رسول الله ﷺ بالعتمة حتى ناداه عمر نام النساء و الصبيان فخرج النبي ﷺ... (صحیح بخاری: 864)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ عشاء کی نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حجرہ سے باہر تشریف لانے میں تاخیر ہوگئی، حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز دی عورتیں اور بچے سو گئے ہیں پھر نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے۔

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خواتین کو مسجد میں آنے اور جماعت میں شامل ہو کر نماز ادا کرنے کی اجازت ہے، لیکن مردوں کی طرح ان پر جماعت واجب نہیں جیسے کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

لا تمنعوا نساؤكم المساجد و بيوتهن خير لهن (أبوداود نمبر 567)

”تم عورتوں کو مساجد سے نہ روکو، اگرچہ ان کے لئے گھر بہتر ہیں۔“ لیکن یہاں بات ہو رہی ہے عبادت گاہ میں امامت و قیادت اور پیشوائی کی، چونکہ نصرانیت کی کشتی مادیت اور عیش پرستی کے بھنور میں ہچکولے کھا رہی ہے اس ڈوبتی نیا کو بچانے کے لئے عیسائی پنڈتوں نے اپنے مذہبی افکار و نظریات اور فقہی مسائل میں اپنی فہم و فراست کے مطابق بہت سی تبدیلیاں کی ہیں کہ شاید چرچ کے ساتھ لوگوں کی عقیدت اور رابطہ برقرار رکھا جاسکے، ان میں سے ایک چرچ میں عورت کی قیادت ہے۔

لیکن ان ترامیم سے قابل ذکر فائدہ نظر نہیں آتا بلکہ صورتحال یہ ہے کہ

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

حتی کہ نصرانیت کے مرکز برطانیہ میں کئی کنیساؤں کے گیٹ پر چرچ برائے فروخت کی تختی آویزاں دکھائی دیتی ہے، یومیہ جماعت (سروس) میں پابندی سے حاضری تو ایک طرف رکھے ہفتہ واری اتوار کی سروس بھی بہت سی کنیساؤں میں نہیں ہوتی، گویا یوں سمجھئے نماز جمعہ کے بغیر مسجد بند اور جن بڑے مرکزی کنیساؤں میں سروس ہوتی بھی ہے، ان میں شرکاء انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں، بلکہ خاص موقعوں پر جیسے سالانہ کرسمس تہوار کے دن بھی چرچ میں کچھ ضعیف عمر بوڑھے کہیں بیٹھے دکھائی دیتے ہیں اور کبھی کسی کے ساتھ کم عمر بچے ہوتے ہیں، نوجوان اور درمیانی عمر والے تو دور دور تک نظر نہیں آتے، بعض یورپی ممالک جیسے اٹلی اسپین پولینڈ وغیرہ میں یہ تعداد کچھ زیادہ ہوتی ہے، ورنہ عام طور پر لوگوں کا عیسائیت کے ساتھ بطور مذہب کے تعلق کمزور ہو رہا ہے اور ایک ثقافت اور کلچر کی حیثیت سے یہ رشتہ نازک سا کچھ باقی رہ گیا ہے۔ اس لئے ان بیچاروں کو مساجد کی تنگ دامنی کا منظر باعث حیرت ہوتا ہے۔ بعض مساجد میں عام نمازوں کے لئے بھی حاضری قابل رشک ہوتی ہے۔ الحمدللہ، جمعہ اور عیدین کے لئے حاضری تو باعث حیرت اور ہمارے لئے موجب مسرت ہوتی ہے۔

شاید ان ہی حقائق کے سبب کنگ چارلس نے ایک موقع پر کہا تھا جب وہ ولی عہد تھے میں اپنی تقریب حلف برداری میں خود کو کسی مخصوص مذہب کے محافظ کے بجائے تمام مذاہب کا محافظ کہلانا پسند کروں گا، گو کہ یہ بات برطانیہ کے بدلتے ہوئے سماجی اور مذہبی حالات کے پیش نظر حقیقت پر مبنی تھی لیکن اس حقیقت پسندانہ بات کے خلاف کرسچن رہنماؤں نے طوفان کھڑا کر دیا، کیونکہ ان کے نزدیک برطانیہ کا کنگ اصلا نصرانیت کا محافظ ہوتا ہے، ضمناً دیگر مذاہب کا بھی خیر خواہ ہو تو قابل قبول ہے لیکن اس کے اظہار یا اعلان کی ضرورت نہیں، ورنہ چرچ آف انگلینڈ کی امتیازی شان متاثر ہوگی، اس احتجاج کے آگے ولی عہد کو ہتھیار ڈالنا پڑا، اور جب بادشاہت کے لئے ان کی تقریب حلف برداری ہوئی انہوں نے یہی کہا کہ میں مذہب خاص نصرانیت کا محافظ رہوں گا۔ میدان سیاست کے انداز اور پیمانے نرالے ہوتے ہیں یہاں بار بار آدمی کو سچائی اور انصاف سے پیچھے ہٹنا ہوتا ہے، یہاں مکر و فریب خود غرضی اور مفادات کا راج ہوتا ہے۔ چرچ آف انگلینڈ میں کی جانے والی مختلف تبدیلیوں میں سے ایک زیر بحث مسئلہ بھی ہے کہ اس اہم ذمہ داری کے لئے ایک خاتون سارہ مولالی Sarah Mullally کو منتخب کیا گیا ہے، یہ لندن کی رہنے والی ہیں، صحت کے شعبہ نرسنگ میں گریجویشن کی، وہ نیشنل ہیلتھ سروس میں بطور چیف

نرس جاب کرتی رہیں، کم عمری میں اس اہم عہدہ سے انہیں خاصی شہرت حاصل ہوئی پھر بتدریج چرچ کے ساتھ ان کا تعلق بڑھتا گیا ، دینیات میں لندن یونیورسٹی سے ایم اے کیا اور عیسائیت میں ہائر ڈپلوما کیا، اس اہم منصب کے بعد وہ برطانیہ میں پھیلے کروڑوں لوگوں کی دینی اور روحانی سربراہ بن چکی ہیں ، ان کے لئے وہ تمام اعزازات اور سہولتیں حاصل ہوں گی جو ان کے پیش روؤں کو میسر تھیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ مادیت اور لا دینی کے طوفان میں نصرانیت کی ڈوبتی ناؤ کو مادام سارا کس حد تک سہارہ دے پائیں گی۔

☆☆☆

اے مہِ عید

مہِ عید ، جلوہ نما ہو گیا تو
تری آمد آمد کا چرچا ہے ہر سو
ہمیشہ خدا کا طلبگار ہوں میں
اُسی کی محبت میں سرشار ہوں میں
چمکتا ہے تو جیسے چرخ بریں پر
اُسی طرح میں جگمگاؤں زمیں پر
ہے مشتاق اب تیری ساری خدائی
کہ تونے نوید مسرت سنائی
تجھے دیکھنے کے لئے میں کھڑا ہوں
تو روپوش ہو کر نہ کر مجھ کو محزوں
یہ مانا کہ تجھ سے بہت دور ہوں میں
مگر تیری الفت سے معمور ہوں میں
نظر آرہا ہے تجھے گھر ہمارا
جہاں ہم نے اپنا لڑکپن گزارا
مری گود میں اے مرے چاند! آجا
کوئی نغمۂ آسمانی سنا جا
تجھے ننھا منھا کھلونا سمجھ کر
چھپا کر رکھوں گا میں سینے کے اندر
تجھے رازداں اپنا میں جانتا ہوں
تو ہمدرد میرا ہے یہ مانتا ہوں
کئی داستانیں اب آئی ہیں جی میں
نہ معلوم کیا کہہ چلوں بے خودی میں
مجھے گریۂ غم سے خاموش کردے
مری ہر شکایت فراموش کردے
ستارے مرا حال پوچھیں جو تجھ سے
یہ پیغام میرا اُنہیں تو سنادے
"مہِ نَو" ! بتا تو یہ کیا ماجرا ہے
مسلمان کیوں نا مسلماں ہوا ہے
کبھی عرش تک بھی تھی اُس کی رسائی
مگر آج ہوتی ہے کیوں جگ ہنسائی
نہیں ہے اُسے کچھ سروکار ، حق سے
سر اپنا جھکاتا ہے باطل کے آگے
نہ جانے وہ کب راہِ حق دیکھ پائے
قدم اپنی منزل کی جانب بڑھائے
میں کرتا ہوں یہ التجا کبریا سے
الٰہی نظام جہاں اب بدل دے
"مہِ نَو"! و بتا تو کہاں جارہا ہے
بتا کس لئے دل کو تڑپا رہا ہے
مبارک تجھے اے مہِ نو! یہ رفعت
یہ حماد بھی تجھ سے ہوتا ہے رخصت

ابولبابہ حماد العمری رحمہ اللہ

☆☆☆

نماز پڑھتے ہی انتقال

برادر عم جناب عبد الغفار خان مقیم شکاگو امریکہ کی ہمشیرہ محترمہ ذکیہ بیگم کے شوہر نامدار جناب سید عبد الوحید 26 فروری بمطابق 9 رمضان المبارک کو نماز عصر پڑھنے کے فوری بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئے اور 10 رمضان کو بعد نماز جمعہ نماز جنازہ ادا کی گئی اور تدفین عمل میں آئی۔ مرحوم نے 65 سال عمر پائی اور زندگی کا ایک بیشتر حصہ حصول روزگار کی خاطر سعودی عرب اور دبئی میں گزارا۔ مرحوم انتہائی سنجیدہ، بااخلاق اور کم سخن تھے، پسماندگان میں چار بیٹیاں اور ایک بیٹا سید سلمان شامل ہیں، زندگی میں انہوں نے پانچ بچوں کی شادیاں کردیں تھیں جو تمام صاحب اولاد ہیں، مختلف ممالک میں مقیم احباب و اقرباء نے سید سلمان اور جناب عبد الوحید خان سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا کی ہے کہ اللہ کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں داخل فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ آمین

برطانیہ سے مولانا عبد الہادی العمری اور ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے اظہار تعزیت کیا ہے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

☆☆☆

ڈڈلی کے پرویز جنجوعہ کی اہلیہ چل بسیں!

ڈڈلی کی زندہ دل شخصیت جناب پرویز احمد جنجوعہ کی اہلیہ فاطمہ منظور 66 سال کی عمر میں کچھ عرصہ علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئیں۔ محترمہ بااخلاق اور مہمان نواز تھیں۔ یہ ڈڈلی کے حاجی دلپذیر احمد جنجوعہ کی سگی بہن تھیں، ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے جامع مسجد کوئینس کراس ڈڈلی میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی، جس میں برطانیہ بھر میں پھیلے ہوئے اعزاء و اقربا شریک تھے۔ مرحوم کے پسماندگان میں چار بیٹیاں اور تین بیٹے سہیل، انسب اور عقیل شامل ہیں۔ سوائے ایک کے سب شادی شدہ ہیں، نماز جنازہ کونسلر ڈڈلی جناب محمد شوکت اور سابق کونسلر جناب ظفر الاسلام اور بہت سے احباب شریک تھے۔ بچوں کی خواہش پر ماں کی میت کو پاکستان لے جایا گیا اور کوٹلی آزاد کشمیر میں جناب پرویز جنجوعہ کے پہلو میں ان کی تدفین عمل میں آئی، دعا ہے کہ اللہ پاک باجی کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ آمین

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

درس قرآن

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بنی اسرائیل کی زیادتیاں

مولانا محمد عبدالحفیظ اسلامی

(قسط02)

اب ہم ذرا سورۃ المائدہ کی آیات کا مطالعہ کرتے ہیں جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کس کس طرح مخاطب ہو کر بات کو سمجھاتے ہیں کہ اللہ کی نعمت یاد کرو کہ تم میں انبیاء بنائے گئے، تمہیں باشاہت سے نوازا اور تمہیں وہ سب کچھ دیا جو دوسرے لوگوں کو نہیں دیا گیا۔

(5) فرماتے ہیں: یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: ”اے میری قوم کے لوگو، اللہ کی اس نعمت کا خیال کرو جو اس نے تمہیں عطا کی تھی۔ اس نے تم میں نبی پیدا کیے، تم کو فرماں روا بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا تھا۔ اے برادران قوم، اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے لکھدی ہے، پیچھے نہ ہو ورنہ ناکام و نامراد پلٹو گے، (مقدس سرزمین سے مراد) ”فلسطین“ کی سرزمین ہے جو اس وقت سخت مشرک اور بدکار قوموں سے آباد تھی بنی اسرائیل جب مصر سے نکل آئے تو اسی سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے نامزد فرمایا اور حکم دیا کہ جا کر اسے فتح کر لو۔

انھوں نے جواب دیا:

﴿ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ 0 قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ (سورہ المائدہ آیت 22-23)

”اے موسیٰ علیہ السلام ،وہاں تو بڑے زبردست لوگ رہتے ہیں، ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں۔ ہاں اگر وہ نکل گئے تو ہم داخل ہونے کے لئے تیار ہیں۔“ ”ان ڈرنے والوں میں دو بہادر شخص ایسے بھی تھے جن کو اللہ نے نعمت سے نوازا تھا۔ انھوں نے کہا:”ان جباروں کے مقابلہ میں دروازے کے اندر گھس جاؤ، جب تم اندر پہنچ جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو۔“(آیت 23) یعنی ”قال رجلان من الذین یخافون“ (ان ڈرنے والے لوگوں میں، یہ 2 جلیل القدر مومن اور بہادر رہنما، بزرگوں میں ایک حضرت یوشع بن نون تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے خلیفہ ہوئے ۔دوسرے حضرت کالب تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دست راست بنے۔

نوٹ: چالیس برس تک بھٹکنے کے بعد جب بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے اس وقت حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں میں سے صرف یہی دو بزرگ زندہ تھے)۔ الغرض ”ان نافرمان و ڈرپوک لوگوں نے“ پھر یہی کہا کہ ”اے موسیٰ علیہ السلام، ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں موجود ہیں۔ بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔،، اس پر موسیٰؑ نے کہا: ”اے میرے رب، میرے اختیار میں کوئی نہیں مگر یا میری اپنی ذات یا میرا بھائی، پس تو ہمیں ان نافرمان لوگوں سے الگ کردے۔“

اللہ نے جواب دیا: ”اچھا تو وہ ملک چالیس سال تک ان پر حرام ہے، یہ زمین میں مارے مارے پھریں گے، ان نافرمانوں کی حالت پر ہرگز ترس نہ کھاؤ۔“

(مستفاد تفہیم القرآن سورہ المائدہ آیات: 20 تا 26 کی)

سورہ الاعراف میں بھی بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور بت پرستی کی طرف انکا جو میلان رہا ہے اس کا ذکر کیا گیا اور اللہ نے انہیں فرعون سے کس طرح بچایا علاوہ ازیں ہر مصیبت و بلا میں جب بھی وہ پھنس جاتے تو اپنے نبیؑ سے اس یقین کے ساتھ دعا کرواتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو رد نہیں کرتا، مگر جب بھی یہ اللہ سے دعا کرواتے تو اس بات کا وعدہ کرتے کہ یہ بلا و مصیبت ہم سے اگر ٹل جائے تو ہم تمہاری بات مان لیں گے یعنی نافرمانی نہیں کریں گے۔ چنانچہ قرآن اس کا ذکر یوں کرتا ہے:

(1) بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر سے گزار دیا، پھر وہ چلے اور راستے میں ایک ایسی قوم پر ان کا گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کی گرویدہ بنی ہوئی تھی۔ کہنے لگے: ”اے موسیٰ (علیہ السلام)، ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود بنادے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔“

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔“

﴿ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾ (سورة الاعراف:138)

یعنی، یہ قوم اگرچہ کہ مسلمان تھی مگر مصر میں صدیوں تک ایک بت پرست قوم کے درمیان رہنے کا یہ اثر تھا۔ بنی اسرائیل جس روش پر رہے تھے اور جس طریقہ کو اپنانا چاہتے تھے اس کے متعلق یہ صاف فرمادیا کہ یہ تو سراسر باطل ہے، اور موسیٰ علیہ السلام

نے انہیں اس بات کی یاد دہانی بھی کروائی کہ تم کیسے لوگ ہو جو مجھ سے یہ فرمائش کرتے ہو کہ میں تمہارے لئے معبود تلاش کروں؟ جبکہ تمہیں اس رب کا شکر گذار بن جانا چاہئے کہ اس نے تم پر یہ احسان کیا کہ تمہیں دنیا میں فضیلت بخشی صرف اتنا ہی نہیں بلکہ فرعونیوں سے نجات دلائی اور تمہیں ذلت آمیز سخت حالات سے نکالا ورنہ وہ تو تمہاری اولاد نرینہ کو قتل کرتے ہوئے تمہاری آنے والی نسلوں کا سلسلہ ختم کرنے کے درپے ہو چکے تھے۔

قرآن نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

(2) ﴿ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾

”یہ لوگ جس طریقہ کی پیروی کر رہے ہیں وہ تو برباد ہونے والا ہے اور جو عمل وہ کر رہے ہیں وہ سراسر باطل ہے۔“ پھر آگے اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد دلاتے ہوئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو دو ٹوک جواب یوں دیا۔“

﴿قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴾

”پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود تمہارے لئے تلاش کروں؟ حالانکہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں دنیا بھر کی قوموں پر فضیلت بخشی ہے۔“ اور آگے یہ بھی فرمایا:

﴿وَإِذْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۖ يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴾

”اور اللہ فرماتا ہے، وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرعون والوں سے تمہیں نجات دی جن کا حال یہ تھا کہ تمہیں سخت عذاب میں مبتلا رکھتے تھے، تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔“ (ترجمانی الاعراف آیات: 139 تا 141)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے بارے میں ایک مشفق باپ کی طرح بلکہ اس سے زیادہ فکر مند رہا کرتے تھے: ہر وقت انہیں اللہ کی نافرمانی کے انجام بد سے ڈراتے اور انہیں بت پرستی کی گندگی سے بچانے کے لئے صبح وشام جدوجہد فرماتے لیکن حضرت موسیٰؑ جیسے ہی چند دنوں کے لئے اپنی قوم سے اوجھل ہوئے تو پھر یہ اپنی بد عملی ، بت پرستی و گاؤ شالہ پرستش کی طرف چل پڑتے۔ چنانچہ اس کی منظر کشی قرآن حکیم یوں پیش کرتا ہے: بنی اسرائیل اللہ کے ساتھ ناشکری و ناقدری کر چکے اور اپنے نبی کے ساتھ کس طرح دل آزاری اور تنگ کیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاون حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ کس طرح زیادتی کی اور ان کے قتل کے قریب ہو چکے تھے۔

(3) ﴿ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴾

”موسیٰؑ کے پیچھے اس کی قوم کے لوگوں نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑے کا پُتلا بنایا جس میں بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ کیا انہیں نظر نہ آتا تھا کہ وہ نہ ان سے بولتا ہے نہ کسی معاملہ میں ان کی رہنمائی کرتا ہے؟ مگر پھر بھی انھوں نے اسے معبود بنالیا اور وہ سخت ظالم تھے۔“ یہ اُس مصریت زدگی کا دوسرا ظہور تھا جسے لیے ہوئے بنی اسرائیل مصر سے نکلے تھے۔ مصر میں گائے کی پرستش اور تقدیس کا جو رواج تھا اس سے یہ قوم اتنی شدت کے ساتھ متاثر ہو چکی تھی کہ پیغمبر کے پیٹھ موڑتے ہی اس نے پرستش کیلئے ایک مصنوعی بچھڑا بناڈالا۔ (سورۃ الاعراف: 148)

خلاصہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور کی طرف پلٹتے ہی اپنی سابقہ روش پر آگئے، یعنی بنی اسرائیل اللہ کے اتنے ناشکرے بن چکے تھے کہ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے بجائے بت پرستی کی طرف پلٹے اور ایک بچھڑا بنا کر اسے پوجنے لگے انکی یہ پرانی عادت تھی کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش میں دلچسپی دکھائی انکے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرتے اور ان پر ساری چیزیں نچھاور کرتے مختصر یہ کہ بنی اسرائیل اپنی پرانی عادتوں پر عمل پیرا رہنا اپنی شان سمجھتے ہوئے شرک باللہ کے دلدادہ بن چکے۔ بقول شاعرؔ

بت کو پوجوں گا صنم خانوں میں جا جا کر میں
اس کے پیچھے مرا ایمان رہے یا نہ رہے

اور بچھڑے کی پوجا شروع کر دی حالانکہ وہ خود اپنے ہاتھوں اسے بنایا تھا اور وہ اتنا بے بس تھا کہ نہ وہ بات کرتا ہے اور نہ ہی کسی بھی طرح کی رہنمائی کرتا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر خود ساختہ معبود کی پرستش کرتے ہوئے ظلم کی راہ اختیار کی۔ علامہ اقبالؔ اس قماش کے لوگوں سے سوال کرتے ہیں؟

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو میدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہدایات وفرامین توراۃ کو تختیوں کی شکل میں لے کر واپس کوہ طور سے تشریف لائے اس وقت بھی بنی اسرائیل کے مشرکانہ مجرمانہ اعمال دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوئے اور انہیں اس سے بہت دکھ پہنچا، اپنی قوم سے کہا ، کیا تم میرے آنے تک بھی صبر نہ کرسکے۔ عجلت و جلد بازی میں باطل کی پوجا شروع کردی؟ اس طرح حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو اپنی قوم کی اس بدترین معصیت میں مبتلا دیکھ کر دل پر بہت شاق گذرا۔ قرآن حکیم اس کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے۔

(4) ﴿ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ

إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿سورۃ الاعراف 150﴾

" ادھر سے موسیٰ (علیہ السلام) غصے اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف پلٹے، آتے ہی اُنہوں نے کہا: "بہت بُری جانشینی کی تم لوگوں نے میرے بعد! کیا تم سے اتنا صبر نہ ہوا کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر لیتے؟" اور تختیاں پھینک دیں اور اپنے بھائی (ہارون علیہ السلام) کے سر کے بال پکڑ کر اسے کھینچا۔ ہارون (علیہ السلام) نے کہا: "اے میری ماں کے بیٹے! اِن لوگوں نے مجھے دبا لیا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے۔ پس تو دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور اس ظالم گروہ کے ساتھ مجھے نہ شامل کر۔" (سورہ الاعراف،150؛ ترجمانی سید ابو الاعلی مودودی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کی حالت پر غصہ ہونا یہ ان کی شانِ رسالت کے خلاف نہ تھا اور اسی حالت میں "الواح،، تختیوں کو ڈال دینا جو بظاہر پھینک دینے جیسا تھا۔

مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ اس سلسلہ میں یوں رقمطراز ہوئے: "پیغمبر غم و غضب کے جذبات سے بلند تر نہیں ہوتا۔ اسے غصہ بھی آتا ہے، اور رنج بھی ہوتا ہے طبعی جذبات سب ہی اپنے موقع پر طاری ہونے اس کے لئے جائز ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ موقع حرارت دینی واشتعال کا تو جائز ہی نہیں، واجب بھی تھا۔" (تفسیر ماجدی: 2/ 223)

بنی اسرائیل نے اس موقع پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شدت رنج میں مبتلا کیا اور انہیں اتنی تکلیف پہنچائی کہ دینی غیرت و حمیت میں بے خود ہو کر غیر اختیاری طور پر "الواح" پھینک دیں۔

حضرت مولانا صلاح الدین یوسف نے "والقی الالواح" کی تفسیر فرماتے ہوئے یوں تحریر کیا ہے: "جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آکر دیکھا کہ وہ بچھڑے کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں تو سخت غضب ناک ہوئے اور جلدی میں تختیاں بھی جو کوہ طور سے لائے تھے، ایسے طور پر رکھیں کہ دیکھنے والے کو محسوس ہوا کہ انھوں نے نیچے پھینک دی ہیں۔ جسے قرآن نے "ڈال دیں" سے تعبیر کیا ہے۔ تاہم اگر پھینک بھی دی ہوں تو اس میں سوء ادبی نہیں کیونکہ مقصد ان تختیوں کی بے ادبی نہیں تھا، بلکہ دینی غیرت و حمیت میں بے خود ہو کر غیر اختیاری طور پر ان سے یہ فعل سرزد ہوا۔" (القرآن الکریم وترجمہ ومعانیہ وتفسیر: حاشیہ 1 صفحہ: 456)

مولانا پانی پتی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ ﴿بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي﴾ میرے بعد تم نے بری حرکت کی کہ گوسالہ کو پوجنے لگے۔ یہ خطاب صرف گوسالہ پرستوں سے ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم نے میری بری قائم مقام کی، کہ بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کو نہ روکا اس وقت خطاب حضرت ہارون اور دوسرے صحیح الایمان مؤمنوں کو ہو گا۔

﴿مِن بَعْدِي﴾ یعنی میرے میقات پر جانے کے بعد۔ یا یہ مطلب ہے کہ باوجود یکہ تم نے میری طرف سے تعلیم توحید و تنزیہ کو دیکھ لیا اور یہ بات بھی دیکھ لی کہ میں شرک سے روکتا ہوں اس کے بعد بھی تم نے یہ بری حرکت کی۔

﴿أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ﴾ یعنی تم نے اپنے رب کے کام کو ناتمام چھوڑ دیا۔ چونکہ عجل کے اندر سبقکا "سبقا" معنی مضمر ہے اس لئے (بغیر حرف جر) کے مفعول کو ذکر کیا گیا۔ یا یہ معنی ہے کہ تم نے اللہ کے مقرر کردہ چلہ کے پورے ہونے سے پہلے ہی یہ حرکت شروع کردی مجھے مردہ مان لیا اور اسی طرح دین کو بگاڑ دیا جیسے گزشتہ انبیاء کے بعد ان کی امتوں نے اپنا دین بگاڑا تھا۔ عجلۃ کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو وقت سے پہلے طلب کرنا۔

﴿وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ﴾ یعنی وہ تختیاں جن میں توریت لکھی ہوئی تھی سخت غضب کی حالت میں زمین پر ڈال دیں مگر (یہ فعل توریت سے نفرت اور بے ادبی کے طور پر نہ تھا بلکہ) یہ مغلوب الغضبی محض اللہ کی ہدایت کی حمایت واطاعت کے لئے تھی۔

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زبرجد (سبز رنگ کا جواہر یا پتھر جو زمرد (Emerald) سے ملتا جلتا ہے) کی سات تختیوں پر (لکھی ہوئی) توریت دی گئی تھی جس کے اندر ہر چیز کا بیان بھی تھا اور ہدایات بھی تھیں۔ لیکن حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے پہاڑ سے آکر بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا میں منہمک پایا تو اپنے ہاتھ سے توریت کو پھینک دیا جس کی وجہ سے تختیوں کے سات ٹکڑے ہو گئے ٹوٹنے کے بعد چھ حصے تو توریت کے اللہ نے اٹھا لئے صرف ساتواں حصہ رہ گیا بغوی نے لکھا ہے کہ "غیب" (ماضی و مستقبل) کی خبروں سے تعلق رکھنے والے حصے تو اٹھا لئے گئے اور جس حصہ کے اندر ہدایات ، احکام اور حلال و حرام کا بیان تھا وہ رہ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(کانوں سے سنی ہوئی، آنکھوں سے دیکھنے کی طرح نہیں ہوتی اللہ نے (طور پر ہی) موسیٰ (علیہ السلام) کو بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کی اطلاع دے دی تھی لیکن موسیٰ (علیہ السلام) نے (اس وقت) تختیاں نہیں پھینکیں اور جب ان کی حرکت خود دیکھ لی تو تختیاں پھینک دیں اور وہ ٹوٹ گئیں۔ (رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط والحاکم بسند صحیح مظہری)

یہودیوں کا انبیاء پر زیادتیاں کرنا انہیں ستانا تو مشہور ہے، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاون، حضرت ہارون علیہ السلام کو بچھڑے کی پرستش کے حوالے سے بد نام کیا، ان پر سونے کا بچھڑا بنانے کا الزام لگا کر" سامری" کے جرم کو حضرت ہارون علیہ السلام پر چسپاں کر دیا۔ (جاری)

☆☆☆



بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورۃ آل عمران: 31)

ہمارے دین اسلام میں، عمل صالح، یعنی اچھا کام اور اچھا عمل کون سا ہے؟ وہ جو اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ اس میں دکھاوا نہ ہو، ریا نہ ہو۔ ایمان کی حالت میں کیا جائے، دوسری شرط بلکہ پہلی شرط ایمان ہے، اس کے بعد اخلاص ہے اور تیسری ضروری شرط یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی سنت کے، آپ کے طریقے کے مطابق ہو۔ سنت کے خلاف اور سنت سے ہٹا ہوا عمل، اچھے اعمال میں اور قابل قبول اعمال میں شامل نہیں ہوتا۔

دو چیزیں ، دو الفاظ سمجھ لینے چاہئیں۔ ایک ہے اطاعت اور ایک ہے اتباع۔ اطاعت کسے کہتے ہیں؟ بات ماننا، فرمانبرداری کرنا، جو حکم ہو اس کی تعمیل کرنا اور اتباع میں حکم والی بات نہیں ہوتی۔ نقل کرنا، پیروی کرنا، اتباع ہوتی ہے، کسی کے عمل کے نمونے کی پیروی کرنا، اس کے پیچھے لگنا، اس کی طرح کا عمل کرنے کی کوشش کرنا، یہ اتباع ہے۔

آج جو آیت خطبۂ مسنونہ کے ساتھ میں نے پڑھی ہے۔ اس میں اسی اتباع کا ذکر ہے۔ اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس کا حکم بھی ہے، اس کی فضیلت بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ کی طرف سے حکم ہوا۔ آپ اعلان کرکے کہہ دیں اور فرمادیں کہ

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورۃ آل عمران: 31)

اگر تم بحیثیت مؤمن و مسلمان اللہ پر یقین ایمان رکھنے کے ساتھ، اس سے گہری محبت اور گہرا تعلق بھی رکھتے ہو، اگر تمہارا رب سے، ایمان والا محبت والا تعلق ہے، تو اس کا ثبوت یہ ہونا چاہیے کہ تم میری یعنی اس رسول کی، اس نبی کی اتباع کرو۔

اتباع کا نتیجہ کیا ہوگا؟ پھر تم یک طرفہ اللہ سے محبت کرنے والے نہیں ہوگے بلکہ وہ بھی تم سے محبت کرے گا۔ وہ تمہیں اپنا پیارا بندہ بنادے گا اور یہ بہت بڑی چیز ہے، بہت بڑا انعام ہے، کسی بندے کے لیے کہ اللہ اس کو اپنا پیارا بندہ کہے۔

دوسرا فائدہ اور دوسرا انعام اتباع کا کیا ہے؟ جب تم اس کے پیارے ہو گئے تو وہ تمہاری غلطیاں بھی معاف کر دے گا، کوتاہیاں، غلطیاں اور گناہ بھی معاف ہو جائیں گے، اس لیے کہ وہ تو ہے ہی بخشنے والا اور مہربانیاں کرنے والا، تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اتباع کی تعلیم دی اور تلقین کی اور اس کا فائدہ بھی بتا دیا بلکہ دو فائدے بتا دیئے۔ اللہ کی محبت کا حاصل ہونا اور گناہوں کا معاف ہو جانا۔ یہ اتباع کی بات ہے، تاکید اطاعت کی بھی کی گئی ہے۔ اس کا بھی ذکر ہے، قرآن پاک میں ہے: ﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء:80)

جو اللہ کے رسول کی بات مانتا ہے، وہ اصل میں کس کی بات مانتا ہے؟ وہ اللہ کی بات مانتا ہے کیونکہ آپ کی بات اور اللہ کی بات ایک ہے۔ ذات مختلف ہے، بات ایک ہے۔ اسی اطاعت کی مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (سورۃ محمد: 33)

اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے عملوں کو ضائع نہ کرو، برباد نہ کرو۔ کیا مطلب؟ یہ کہ اللہ رسول کی اطاعت سے ہٹے ہوئے عمل کرو گے تو برباد ہوگے، کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اتباع کس کا طریقہ ہے؟ مومنوں کا، مسلمانوں کا، اطاعت بھی اور اتباع بھی۔ جو نہ کرے، جو آپ کی اتباع کرنے کی بجائے، آپ کے نمونے کی پیروی اور نقل کرنے کی بجائے کسی اور کو اپنا نمونہ بنا لے۔ دوسرے لفظوں میں کسی اور کو اپنا رہنما بنالے۔ اس کا فیصلہ بھی قرآن نے کیا ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (سورۃ النساء: 115)

جو اللہ کے رسول کی مخالفت کرتا ہے، اطاعت کی بجائے مخالفت کرتا ہے۔ آپ کے حکم سے ہٹ کر چلتا ہے۔ وہ مؤمنوں کی راہ سے بھی ہٹ جاتا ہے۔ مؤمن کی راہ، مؤمنوں کی راہ کیا ہے؟ نبی کی اتباع اور اطاعت کرنا۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ اسے پھر ہم اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کو پھر ہدایت نہیں ملتی۔ اس کے ساتھ اللہ کی نصرت، مدد اور ہدایت نہیں ہوتی۔ جدھر جاتا ہے، اللہ کہتا ہے، جاؤ، دفع ہو جاؤ۔ جہاں جاتے ہو، جدھر جاتے ہو جاتے رہو۔ پھر اللہ اپنی راہ کی طرف اسے کھینچ کر لانے کی

طرف توجہ نہیں کرتا کہ یہ باغی ہو گیا ہے تو پھر رہے بغاوت کے راستے پر اور پھر ایسے آدمی کا انجام کیا ہو گا؟ ایسے بندے کو پھر جہنم میں داخل کیا جاتا ہے۔ تو یہ الفاظ بڑے قابل غور ہیں کہ ایسا شخص مؤمنوں کے راستے سے ہٹ جاتا ہے۔ مومنوں کا راستہ بھی قرآن نے بتادیا، فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ (سورة الأحزاب: 36)

مرد ہو یا عورت ہو، کسی مؤمن کے لیے یہ جائز ہی نہیں، روا نہیں، مناسب نہیں کہ اللہ اور رسول کی طرف سے کسی بات کا فیصلہ ہو جائے کہ یہ اس طرح کرنی ہے تو پھر وہ اس سے ہٹ کر کوئی چیز کرے۔ اللہ اور رسول کے فیصلے، امر یا حکم سے ہٹ کر کچھ اور کام کرے، کوئی اور راہ اپنائے۔ یہ اللہ فرماتا ہے کہ یہ مؤمن کر ہی نہیں سکتا۔ اس کے لیے مناسب ہی نہیں ہے۔ مؤمن ہو تو ایسا کام نہیں کرے گا۔ اتباع اور اطاعت کی اہمیت بھی آئی اور نہ کرنے والوں کا انجام بھی بتا دیا گیا ہے۔ سبیل المؤمنین کے بارے میں قرآن مجید سے ایک اور رہنمائی کہ مسلمانوں کا راستہ کیا ہے؟

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ (سورة الحشر: 7)

لائحہ عمل کیا ہے؟ زندگی گزارنے کا طریقہ کیا ہے؟ یہ لائحہ عمل ہے، مسلمان کی پوری زندگی کے لیے ہے کہ جو رسول کی طرف سے حکم آتا ہے، اسے لے لو، اپنالو، پکڑ لو اور جس سے وہ منع کرتے ہیں، اس سے منع ہو جاؤ۔ یہ ہے مسلمانوں کا راستہ۔ سبیل المؤمنین۔ یہ ہے مسلمان کا طریقہ۔ یہ ہے مسلمان کے لیے پوری زندگی کا لائحہ عمل، اس کی مخالفت، حکم نبی کی مخالفت کے بارے میں مزید فرمادیا:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (سورة النور: 63)

جو لوگ آپ کے، رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں یعنی آپ کے نمونے کی اور آپ کے حکم کی پیروی نہیں کرتے۔ انہیں ڈرنا چاہیے، اس بات سے کہ انہیں اللہ کی طرف سے اس جرم کی پاداش اور اس جرم کی سزا میں دنیا میں کوئی تکلیف آسکتی ہے یا پھر آخرت میں عذاب الیم ان کا انتظار کر رہا ہے۔ عذاب الیم کیا ہے؟ دردناک عذاب!

صحابہ کے نزدیک اطاعت کی اور پھر خاص طور پہ اتباع سنت کی اہمیت کیا تھی؟ وہ جانتے تھے کہ اتباع کتنی اہم ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فرمان موجود ہے۔ صحیح بخاری میں:

«فَإِنِّي أَخْشَى إِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهِ أَنْ أَزِيغَ» (صحيح البخاري: 3093)

مجھے اس بات کا ڈر رہتا ہے کہ اگر میں نے آپ کے یعنی رسول اللہ ﷺ کے احکام میں سے ایک کو بھی چھوڑ دیا، تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ ٹیڑھے ٹیڑھے راستے پر چلا جاؤں گا۔ گمراہی کے راستے پر چلا جاؤں گا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ صحیح مسلم میں ہے:

«لَانَتْرُكُ كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا ﷺ» (صحيح مسلم: 3710)

ہم مسلمان اگر مسلمان ہیں تو دو چیزوں کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ ایک مسلمان دو چیزوں کو کبھی نہیں چھوڑے گا، وہ کیا ہیں؟

«كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا»

اللہ کی کتاب اور ہمارے نبی کی سنت ﷺ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے ماتحت حکام، مختلف صوبوں کے گورنر وغیرہ کو مقرر فرماتے تو ان کو مقرر کرنے کی بنیادی وجہ کیا بتائی؟ ان کے تقرر کا فلسفہ کیا بتایا؟

" لِيُعَلِّمُوكُمْ دِينَكُمْ وَسُنَّتَكُمْ." (تاريخ طبری: 204/4)

لوگوں کو کہا کہ میں اپنے یہ حکام اس لیے مقرر کرتا ہوں تاکہ وہ تمہیں دین سکھائیں۔ صرف دنیاوی کاموں کے لیے نہیں مقرر کرتا۔ اس لیے مقرر کرتا ہوں کہ تمہیں دین سکھائیں اور تمہارے نبی کی سنت بھی ساتھ سکھائیں۔ دین کہہ دیتے، کافی تھا، لیکن سنت کی اہمیت کے پیش نظر فرمایا کہ دین سکھائیں اور خاص طور پہ نبی کی سنت سکھائیں کہ آپ کے طریقے یہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ملتے جلتے الفاظ ملتے ہیں جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائے۔ وہ فرماتے ہیں:

«لَا نَدَعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا ﷺ» (مسند إسحاق بن راهوية: 623)

ان دو چیزوں کو یعنی اللہ کی کتاب اور نبی کی سنت ﷺ کو ہم نہیں چھوڑ سکتے ہم نہیں چھوڑیں گے اور اپنے لخت جگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے انہوں نے فرمایا تھا:

" وَإِنْ أَحْبَبْتَ أَنْ لَا تُوقَفَ عَلَى الصِّرَاطِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتَّى تَدْخُلَ الْجَنَّةَ، فَلَا تُحْدِثْ فِي دِينِ اللهِ حَدَثًا بِرَأْيِكَ." (مسند بزار: 2255)

بیٹے اگر تم چاہتے ہو کہ تم آنے والے کل پل صراط پر آسانی سے گزر جاؤ اور تمہیں کوئی طاقت روک نہ سکے۔ اس پل پر ہمارا راستہ نہ روک سکے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے لیے نسخہ کیا ہے؟ نسخہ یہ ہے کہ اللہ کے دین میں اپنی مرضی سے کوئی کمی اور کوئی اضافہ نہ کرنا۔ کوئی نئی بات اللہ کے دین میں شامل نہ کرنا۔ یعنی بدعت سے ڈرا رہے ہیں کہ بدعت سے بچو گے تو پل صراط پر سے گزرنا تمہارے لیے آسان ہو جائے گا۔

یہ تو صحابہ کی بات تھی۔ خود نبی محترم ﷺ کا فرمان ترمذی میں موجود ہے۔

«ومَنْ أحبّ سُنّتي؛ فقدْ أحبّني؛ ومَنْ أحبّني؛ كان مَعِيَ في الجنّةِ» (مسند أبو يعلى: 3624)

آپ نے بڑے جامع اور مختصر الفاظ میں سنت کی اہمیت بتادی۔ مفہوم ہے کہ مجھ سے محبت کرنے کے دعوے دار بہت ہوں گے لیکن سچی محبت رکھنے والا کون ہے؟ ان دعوے داروں میں سچی محبت رکھنے والا کون ہے؟ فرمایا: جو میری سنت سے محبت رکھے گا، وہی مجھ سے حقیقی محبت رکھتا ہو گا۔ مجھ سے سچا پیار کرنے والا میرے طریقوں سے، میری سنت سے، میرے عمل سے پیار کرے گا۔ پیار کی وجہ سے ان کو اپنائے گا۔ خوشخبری بھی دے دی کہ جو اس طریقے سے مجھ سے محبت رکھے گا، وہ میرے ساتھ ہی جنت میں ہو گا۔ جنت میں بھی میرے ساتھ ہو گا۔

صحابہ کی مجلس میں حوضِ کوثر کی بات ہو رہی تھی۔ صحابہ نے ساقی کوثر ﷺ سے پوچھا کہ جناب جب آپ سے ہماری حوض کوثر پر ملاقات ہو گی تو آپ اپنے امتیوں کو اور مسلمانوں کو کیسے پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے اپنے امتیوں کو کوثر کے جام پلانے ہیں تو پلانے سے پہلے آپ انہیں کیسے پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

آثار وضو سے، وہ اپنے بدن کے جن اعضاء کا وضو کرتے رہے ہیں۔ جن پر وضو کا پانی بہاتے رہے ہیں۔ جیسے ہاتھ ہیں، چہرہ ہے، بازو ہیں، پاؤں ہیں۔ یہ سب چمک رہے ہوں گے، اس سے پہچانوں گا کہ یہ نمازی ہیں لیکن ساتھ ہی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے بعض لوگوں کو پہچان کر یا یہ سمجھ کر کہ یہ میرے امتی ہیں، جب میں کوثر کا جام پلانا چاہوں گا، تو فرشتے مجھے روک دیں گے کہ یہ اس قابل نہیں، کیوں قابل نہیں؟ ان کے اعضا تو چمک رہے ہیں؟ ٹھیک ہے، اعضا چمک رہے ہیں لیکن بتایا جائے گا کہ:

« إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ » (صحيح بخاري: 6584)

آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے دین میں کون سی نئی نئی چیزیں شامل کر دی تھیں۔ کون سی بدعات انہوں نے رائج کر دی تھیں اور ان پر چلتے تھے تو جب مجھے معلوم ہو گا کہ یہ بدعتی ہیں تو پھر میں بھی کہوں گا کہ

«فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي » (صحيح بخاري: 6584)

ان کو پرے کر دو، ان کو دور کر دو، یہ بدعتی دفعہ ہو جائیں، رحمت للعالمین بھی ان کو اپنے سے دور کر دیں گے، ایسے لوگ اللہ کی رحمت سے دور اور رحمت للعالمین سے دور ہو جائیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس حوالے سے چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑی بڑی چیزوں تک اتباع سنت کا اہتمام کرتے تھے۔ آپ کی پیروی کرتے تھے، نقل کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد سے باہر کہیں، غالباً سفر پہ ایک نماز ہو رہی تھی ، نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھاتے پڑھاتے، اپنا جوتا جو آپ نے پہنا ہوا تھا، کسی ضرورت کے تحت اتار دیا ، جوتے صاف ہوں تو جوتوں سمیت نماز پڑھ سکتے ہیں ، تو آپ پڑھ رہے تھے، صحابہ بھی پڑھ رہے تھے۔ ہمارے ہاں جنازے میں کئی لوگ کھڑے ہوتے ہیں، جنازے کا وقت ہوتا ہے تو وہ پاؤں کو جوتے سے نکال کے، جوتے کے اوپر رکھ لیتے ہیں۔ بھئی فرق کیا پڑا؟ پاؤں جوتے کے اندر رہے یا باہر ہے، جوتا تو ادھر پاؤں کے نیچے ہی ہے، اگر جوتا صاف ہے تو اسی طرح رہنے دیں۔ صاف نہیں ہے، تو الگ کر دیں۔ بدستور پاؤں کے نیچے رکھنے کی کوئی ضرورت یا صورت نہیں۔ خیر، آپ نے نماز پڑھتے ہوئے جوتا ایک طرف کر دیا۔ صحابہ کہتے ہیں، آپ کی اتباع میں ہم نے بھی ایسا ہی کیا ، یہ اتباع کا جذبہ تھا۔ ہم نے بھی جوتے اتارے دیئے۔ نماز میں تو گفتگو نہیں ہوتی، بعد میں آپ نے پوچھا کہ بھائی میں نے ایک خاص وجہ سے جوتے اتارے تھے، تم نے کیوں اتارے؟ میں نے تو اس لیے اتارے تھے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، مجھ پر وحی آگئی، جبرائیل نے کہا کہ آپ کے جوتے تلے کوئی غلاظت اور گندگی ہے، جو راہ چلتے ہوئے لگ گئی تھی تو میں نے جوتے ہٹا دیئے، تم نے کیوں ہٹائے؟ صحابہ کا جواب بڑا سادہ اور بڑا عجیب تھا:

«رَأَيْنَاكَ أَلْقَيْتَ نَعْلَيْكَ فَأَلْقَيْنَا نِعَالَنَا» (سنن أبو داؤد: 650)

ہم نے صرف یہ دیکھا کہ آپ نے جوتے اتارے ہیں، تو ہم نے بھی اتار دیئے ،وجہ جاننے کی ہمیں ضرورت نہیں تھی۔ حکمت جاننے کی ضرورت نہیں تھی کہ آپ نے یہ کام کیا تو اس کی حکمت کیا ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا فلسفہ کیا ہے؟ ان باتوں میں نہیں ہم پڑے۔ جو دیکھا، وہ ہم نے کیا۔ یہ جذبہ ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ساتھیوں کے ہمراہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ حجر اسود کے قریب سے گزرتے ہیں تو اس کا استلام کرتے ہیں۔ استلام، اشارہ کو بھی کہتے ہیں؟ ہاتھ سے حجر اسود کو چھونا اور اسے بوسہ دینا استلام ہے۔ ایک ہے تقبیل، یعنی حجر اسود کو بوسہ دینا، ایک ہے استلام یعنی قریب آنے کا موقع نہ ملے تو دھکم پیل کرنے کی بجائے دور سے اشارہ کر دینا یا لاٹھی وغیرہ پاس ہے تو وہ لگا لو اس کو یا ایسے ہی اشارہ کر دو ہاتھ سے۔ اسے استلام کہتے ہیں۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ طواف کر رہے ہیں، استلام بھی کر رہے ہیں، حجر اسود کے پاس آئے۔ پھر ساتھیوں کو اور لوگوں کو سمجھانے کے لیے آپ نے ایک بات فرمائی اور وہ بات حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمائی، حجر

اسود سنتا نہیں ہے۔ سنانا لوگوں کو تھا۔ یہ بھی طریقہ ہے بات کرنے کا۔ کیا فرمایا؟ فرمایا:

«إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ» (صحيح بخاری: 1597)

اے پتھر! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تیرے ہاتھ میں میرا یا کسی کا نفع ونقصان نہیں ہے، تو کچھ بھی نہیں کر سکتا، تیرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے تو بس پتھر ہے۔ تو ہمارا کوئی معبود نہیں ہے، خدانخواستہ۔ اگر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تیرا بوسہ نہ لیتا لیکن ہم نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے، یہ آپ ﷺ کی سنت ہے، ہم بھی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ اس عمل کی وجہ جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح رمل کے بارے میں بھی آپ نے فرمایا:

«فَمَا لَنَا وَلِلرَّمَلِ إِنَّمَا كُنَّا رَاءَيْنَا بِهِ الْمُشْرِكِينَ وَقَدْ أَهْلَكَهُمُ اللَّهُ»، ثُمَّ قَالَ: «شَيْءٌ صَنَعَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَتْرُكَهُ» (صحيح بخاری:1605)

رمل کیا ہے؟ طواف کے دوران پہلے تین چکروں میں تیز چال سے چلنا، جب حاجی یا عمرہ کرنے والا پہلا طواف کرتا ہے، خاص طور پہ طواف قدوم، پہلا طواف، عمرہ یا حج کا پہلا طواف، پہلے تین چکر اگر جگہ ہو اور اگر گنجائش ہو تو لوگوں کو تنگ کر کے نہیں، دھکے دے کر نہیں، اگر گنجائش ہو تو تیز چلنا چاہیے اور ذرا جوانوں کی طرح، پہلوانوں کی طرح یہ تین چکر کاٹنے چاہئیں، اس طرح تین چکروں میں ذرا تیز چال سے چلے۔ تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا رمل کیا ہے؟ سوال اٹھایا اور سوال کا خود ہی جواب دیا۔ سوال کیا اٹھایا؟ سوال یہ اٹھایا کہ " فَمَا لَنَا وَلِلرَّمَلِ؟" ہم یہ رمل کیوں کرتے ہیں؟ اس کی کیا ضرورت ہے؟ اب کیا ضرورت ہے؟

"شَيْءٌ صَنَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَتْرُكَهُ."

بتایا کہ یہ تو اللہ کے نبی نے کیا تھا۔ مشرکوں کو دکھانے کے لیے۔ مشرکوں پر رعب ڈالنے کے لیے کیا تھا۔ اس وقت کیا دکھانا تھا؟ کیا رعب ڈالنا تھا؟ واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جو عمرہ آپ نے کیا، اس میں آپ طواف کر رہے تھے، آپ کو خبر ملی کہ مشرکین جو ایک معاہدے کے تحت خاموش تھے کہ چلو مسلمان عمرہ کر لیں۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ مدینے کی آب وہوا نے مکے سے جانے والے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے۔ اب یہ ہم سے جنگ میں جیت نہیں سکتے۔ دیکھو کیسی مریل چال چل رہے ہیں۔ آپ کو پتہ چلا تو آپ نے کہا کہ جوانوں کی طرح چلو، پہلوانوں کی طرح چلو، اکڑ کے چلو۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ وجہ تو یہ تھی، اب وہ مشرک جو اعتراض کرنے والے اور ہنسنے والے تھے، مذاق کرنے والے تھے کہ کیسی نرم سی مریل چال چل رہے ہیں۔ اللہ نے ان کو ختم کر دیا۔ اب رمل کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ وہ تو ختم ہو گئی ضرورت۔ وجہ تو ختم ہو گئی۔ پھر آپ نے خود ہی جواب دیا اور سنت کی اہمیت بتا دی، بتایا کہ یہ ایک عمل ہے، جس کو اللہ کے نبی ﷺ نے کیا تھا۔ اللہ کے نبی نے یہ عمل کیا تھا۔ اس لیے ہم اسے چھوڑنا پسند نہیں کرتے، اسے کرتے رہیں گے۔ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ یہ ہے سنت کی اہمیت۔

حضرت عثمان ؓ کو کسی نے کہا کہ آپ رکن عراقی کو ہاتھ لگانے سے منع کیوں کرتے ہیں؟ رکن عراقی کیا ہے؟ کعبے کے چار کونے ہیں، حجر اسود سے آگے آئیں تو مقام ابراہیم سے گزر کے آگے حطیم آ جاتا ہے۔ حطیم سے بھی آگے بڑھیں۔ تو وہ کونا جو حجر اسود والے کونے سے پہلے آتا ہے، اسے رکن یمانی کہتے ہیں، اس سے پہلا جو ہے، اسے رکن عراقی کہتے ہیں، کیونکہ اس کا رخ عراق کی طرف ہے۔ رکن یمانی کو ہاتھ لگا سکتے ہیں، بوسہ نہیں لے سکتے۔ بوسہ لینا خلاف سنت ہے۔ بوسہ صرف حجر اسود کا ہے۔ اس سے پہلے جو کونا ہے رکن یمانی اسے ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ اگر موقع ہو۔ اس سے پہلے جو رکن عراقی ہے، اسے ہاتھ نہیں لگانا، اس لیے کہ اللہ کے رسول نے نہیں لگایا، تو آپ سے پوچھا گیا۔ حضرت عثمان ؓ سے کہ آپ رکن عراقی کو ہاتھ لگانے سے منع کیوں کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ

" أَلَيْسَ رَسُولُ اللهِ أُسْوَةً حَسَنَةً؟" (مسند أحمد:512)

اس لیے کہ اس حوالے سے اللہ کے رسول کا نمونہ موجود نہیں ہمارے پاس۔ آپ کا نمونہ یہی بتاتا ہے کہ اس کو ہاتھ نہیں لگانا تو بس نہیں لگانا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ وجہ پہ مت جائیں۔ حکمت اور فلسفے پہ مت جائیں۔ وجہ معلوم ہو یا نہ ہو۔ کرنا وہی ہے جو آپ نے کیا۔ یہ تو عبادت سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں۔ صحابہ تو آپ کی پیروی اور اتباع ان چیزوں میں بھی کرتے تھے۔ جو بظاہر عبادت کی نہیں ہیں۔ جن کا براہ راست عبادت سے تعلق نہیں ہے، صحابہ ان کی بھی پیروی کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال۔ عبداللہ بن عمر ؓ سے ملتی ہے کہ

" كَانَ يَقِيلُ تَحْتَ شَجَرَةٍ." (إبانة الكبرى:1/ 241)

سفر کے دوران ضرورت ہو یا نہ ہو، عبد اللہ بن عمر ؓ ایک درخت کے نیچے رک جاتے تھے۔ سفر کے دوران ایک درخت کے پاس آتے تھے۔ وہاں تھوڑا سا آرام کرتے تھے، ضرورت آرام کی ہو یا نہ ہو اور فرماتے تھے کہ میں نے اللہ کے رسول کو اس

درخت کے نیچے آرام کرتے دیکھا ہے، اس لیے میں یہ کرتا ہوں۔ آپ کے طریقوں سے اور آپ سے یہ محبت ہے، یہ تو ہوا اتباع سنت کا جذبہ۔ اتباع سنت کا جذبہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا، جب تک بدعت سے نہ بچا جائے۔ اجتنابِ بدعت اتباع سنت کا ایک لازمی حصہ ہے۔

اس کے بارے میں بھی صحابہ و تابعین کے واقعات موجود ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عید گاہ میں تشریف لائے۔ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ کیا نماز کوئی برا فعل ہے؟ سب سے اچھا فعل ہے، لیکن عید گاہ میں رسول اللہ ﷺ نے اور صحابہ نے کبھی نماز نہیں پڑھی۔ سوائے عید کی دو رکعت کے نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے دیکھا کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، تو آپ نے کیا فرمایا: بڑے اہم الفاظ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ اور ساری بات کا خلاصہ یہ ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ لَا يُثِيبُ عَلَى فِعْلٍ حَتَّى يَفْعَلَهُ وَيَحُثَّ عَلَيْهِ"

بھائی! یاد رکھو، اللہ تعالیٰ اس کام پر کوئی ثواب نہیں دیتا، جس کو اللہ کے رسول نے نہ کیا ہو، یا اس کی طرف لوگوں کو آمادہ نہ کیا ہو، جس کا حکم دیا ہو یا آپ نے خود کیا ہو۔ اس کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی بات ہے۔ کوفہ کی مسجد کی بات ہے، جب آپ کوفے تشریف لے گئے تھے اور اسے دارالحکومت بنایا تھا تو مسجد کوفہ میں اذان ہوئی اور اذان کے بعد اقامت سے پہلے ایک شخص نے پکارنا شروع کیا، "الصلاۃ الصلاۃ" "آؤ بھئی نماز پڑھو۔" آپ نے فرمایا، یہ کیا ہے؟ نماز کے لیے یا اذان ہے یا اقامت ہے؟ تیسری کوئی چیز نہیں۔ یہ جو اذان کے ساتھ، اس کے آگے، پیچھے، پہلے، شروع میں تھا اور اب اس کے بعد بھی شروع ہو گیا۔ درود شریف پڑھنا بہترین عمل ہے، لیکن ہر عمل کا ایک مقام اور ایک وقت ہے۔ جو اللہ کے رسول نے کیا، اس طرح کرنا چاہیے۔ اذان کے ساتھ اس طرح کوئی نہیں پڑھتا تھا۔ ان کو یہ بات نوٹ کرنی چاہیے، سمجھ لینی چاہیے تو کوفہ کی مسجد میں وہ بندہ الصلاۃ والصلاۃ کہہ رہا تھا۔ آپ حاکم بھی تھے، آپ کا حکم چلتا تھا تو آپ نے فرمایا:

" أَخْرِجُوا هَذَا الْمُبْتَدِعَ مِنْ هَذَا الْمَسْجِدِ."

(المبسوط: 130/1)

اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔ یہ الصلاۃ کہہ کے بظاہر اچھا عمل کر رہا ہے، لوگوں کو نماز کے لیے بلا رہا ہے لیکن سنت میں یہ چیز موجود نہیں ہے، سنت میں یا اذان ہے یا تکبیرِ اقامت ہے۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی ہے۔ آخری عمر میں انہیں کچھ نظر کا مسئلہ تھا۔ بینائی کم تھی، تو کسی شاگرد وغیرہ کو ساتھ لے کے مسجد میں گئے۔ شاگرد ساتھ تھا، مجاہد اس کا نام تھا۔ ایک مسجد میں گئے، اتفاق سے وہاں بھی اسی طرح کوئی "الصلاۃ الصلاۃ" کے الفاظ کہہ رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو حاکم تھے، انہوں نے کہہ دیا تھا، اس کو نکالو۔ اب یہ تو نکال نہیں کہہ سکتے تھے، خود نکل آئے اور اپنے ساتھی سے کہا:

«اخْرُجْ بِنَا فَإِنَّ هَذِهِ بِدْعَةٌ» (سنن أبو داود: 538)

یہ بدعت ہو رہی ہے، اس مسجد میں ہم نماز نہیں پڑھیں گے، نکلو یہاں سے، کہیں اور چلتے ہیں۔

صوفیاء کرام کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نئی باتیں کرنے والے ہیں اور بدعتوں میں پڑنے والے ہیں، سب صوفی ایسے نہیں ہوتے۔ بڑے نیک لوگ گزرے ہیں جو سنت کے تابعدار اور اتباع کرنے والے تھے۔ ذوالنون مصری مشہور صوفی ہیں، لوگوں نے پوچھا، حالات میں خرابی کا سبب کیا ہے؟ ہمارے حالات کیوں بگڑ گئے؟ فرمایا: لوگوں نے اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دیا ہے اور خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں، اس لیے حالات خراب ہوئے ہیں:

" اتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَتَرَكُوا سُنَّةَ نَبِيِّهِمْ"

لوگوں نے اپنے نبی کی پیروی کو چھوڑ دیا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے چلنے لگے، اس لئے یہ نتیجہ نکلا ہے۔

خواجہ ابراہیم ادھم ایک اور اچھے بزرگ ہیں۔ ان سے پوچھا گیا، ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ ہمارے لوگ بھی سوال کرتے ہیں کہ دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟ فرمایا:"ادَّعَيْتُمْ حُبَّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَتَرَكْتُمْ سُنَّتَهُ." (حلیۃ الأولیاء: 15/8)

دعویٰ تم کرتے ہو، اللہ کے نبی کی محبت کا اور اس کی سنتوں کو چھوڑتے ہو تو تمہاری دعائیں کیسے قبول ہوں گی؟ تو یہ سنت کی اہمیت ہے، بدعت سے بچنے کی اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں متبع سنت بنائے اور نبی کریم ﷺ کی سنت کی پیروی اور آپ کی اطاعت کر کے جنت کا وارث بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆

صدقۃ الفطر کن چیزوں سے دیا جائے

جن غلہ جات کو انسان بطور خوراک استعمال کرتا ہے، ان سے صدقۃ الفطر ادا کر سکتا ہے، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عموماً جو، کھجور، منقہ اور پنیر کھاتے تھے، اس لیے آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان اجناس سے صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں، کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عید الفطر کے دن (فی کس) کھانے کا ایک صاع دیا کرتے تھے، اور اس وقت ہمارا کھانا جو، کھجور، منقہ اور پنیر پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔

ہمارے ملک میں گیہوں، چنا، جو، مکی، باجرہ، جوار وغیرہ اجناس خوردنی ہیں، اور لوگ انہیں خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں، لہٰذا ان میں جو جنس عموماً زیادہ استعمال کرتے ہیں، اس سے صدقۃ الفطر ادا کر سکتے ہیں۔



ضرورت سے زیادہ کھانا ناپسندیدہ عمل

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مِعَاءٍ وَاحِدٍ، وَإِنّ الْكَافِرَ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ» (صحیح بخاری، كتاب الأطعمة، المؤمن يأكل في معى واحد: 5393-صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب المؤمن يأكل في معى واحد: 2060)

"یقیناً مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

أَنّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ضَافَهُ ضَيْفٌ وَهُوَ كَافِرٌ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ، ثُمّ أُخْرٰى فَشَرِبَ حَتّى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ، ثُمّ أَصْبَحَ فَأَسْلَمَ فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِشَاةٍ فَشَرِبَ حِلَابَهَا، ثُمّ أَمَرَ بِأُخْرٰى فَلَمْ يَسْتَتِمّهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِي وِعَاءٍ وَاحِدٍ، وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ.»(صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب المؤمن يأكل في معى واحد، والكافر يأكل في سبعة أمعاء: 2063- سنن ترمذى، أبواب الأطعمة، باب ما جاء أن المؤمن يأكل في معى واحد، والكافر يأكل في سبعة أمعاء:1819)

"رسول اللہ ﷺ نے ایک مہمان کی مہمان نوازی کی اور وہ مہمان کافر تھا، رسول اللہ ﷺ نے بکری کا دودھ نکال کرلانے کا حکم فرمایا، دودھ نکال کرلایا گیا تو وہ پی گیا، پھر دوسری کا لایا گیا تو وہ بھی پی گیا، یہاں تک کہ اس نے سات بکریوں کا دودھ پی لیا، پھر اگلی صبح اس نے اسلام قبول کرلیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بکری کا دودھ لانے کا حکم فرمایا (وہ لایا گیا) تو اس نے پی لیا، پھر آپ ﷺ نے دوسری بکری کا دودھ منگوایا لیکن وہ سارا نہیں پی سکا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔"

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مِعَاءٌ سے مراد معدہ ہے، اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کافر اس بندے جتنا کھاتا ہے جس کے سات معدے ہوں، جبکہ مومن ایک معدے والے بندے جتنا کھاتا ہے۔ راقم کی نظر میں اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن چونکہ بسم اللہ پڑھ کر کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک تو اس کے کھانے میں برکت ڈال دیتا ہے اور دوسرا یہ کہ شیطان بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے بھاگ جاتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں بیان ہے کہ جو بسم اللہ پڑھ کر نہیں کھاتا اس کے ساتھ شیطان بیٹھ جاتا ہے، جبکہ کافر کا بسم اللہ پڑھنا تو کجا اسلام سے ہی چنداں واسطہ نہیں ہوتا، اس لیے اس کا کھانا بھی بے برکت ہوتا ہے اور شیطان بھی اس کے ساتھ شریک رہتا ہے، تبھی وہ سات سات آدمیوں کا کھانا اکیلا ہی کھا جاتا ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ، وَطَعَامُ الِاثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ، وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثّمَانِيَةَ.»(صحيح مسلم: 2059

"ایک بندے کا کھانا دو کو کفایت کر جاتا ہے، دو کا چار کو کافی ہو جاتا ہے اور چار کا آٹھ کو پورا آ جاتا ہے۔"

یہ حدیث درحقیقت اکٹھے مل کر کھانے کی فضیلت کے بارے میں ہے کہ اکیلے کھانے میں وہ برکت نہیں ہے جو اکٹھے مل کر کھانے میں ہوتی ہے۔ اکٹھے مل کر کھایا جائے تو ایک شخص کا کھانا دو کو پورا آ جاتا ہے، دو آدمیوں کے کھانے سے چار آدمی سیر ہو جاتے ہیں اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کو کفایت کر جاتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

مَا شَبِعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةَ أَيّامٍ تِبَاعًا حَتّى مَضَى لِسَبِيلِهِ. (صحيح مسلم:2970)

"رسول اللہ ﷺ نے وفات پا جانے تک مسلسل تین دِن سیر ہو کر نہیں کھایا۔"

ابو جحیفہ بیان کرتے ہیں کہ

أَكَلْتُ ثَرِيدَ بُرٍّ وَلَحْمٍ، فَأَتَيْتُ النّبِيّ ﷺ وَأَنَا أَتَجَشّأُ، فَقَالَ: «اكْفُفْ عَنّا أَوِ احْبِسْ عَنّا مِنْ جُشَائِكَ، فَإِنّ أَكْثَرَكُمْ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا أَطْوَلُكُمْ جُوعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.» قَالَ: فَمَا أَكَلَ أَبُو جُحَيْفَةَ مِلْءَ بَطْنِهِ حَتّى فَارَقَ الدُّنْيَا، وَكَانَ إِذَا تَعَشّى لَمْ يَتَغَدّ، وَإِذَا تَغَدّى لَمْ يَتَعَشّ. (سلسلة الأحاديث الصحيحة:343)

"میں نے روٹی اور گوشت کا ثرید بنا کر کھایا، پھر میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور میں ڈکا مار رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہمارے سامنے (ڈکار مارنے

سے) رُک جا، یا فرمایا کہ اپنے ڈکار سے ہمیں دور ہی رکھ، کیونکہ جو تم میں سے دنیا میں بہت زیادہ سیر رہتا ہے وہ روزِ قیامت تم سب سے زیادہ طویل مدت تک بھوکا رہے گا۔ اس کے بعد ابوجحیفہؓ نے دنیا سے کُوچ کر جانے تک کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا اور جب صبح کا کھانا کھالیتے تو شام کا نہیں کھاتے تھے اور جب شام کا کھاتے تو صبح کا نہیں کھاتے تھے۔"

مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ، بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ لُقَيْمَاتٍ يُقِمْنَ صُلْبَهُ، فَإِنْ كَانَ لَابُدَّ فَثُلُثٌ طَعَامٌ، وَثُلُثٌ شَرَابٌ، وَثُلُثٌ نَفَسٌ.» (سنن ترمذی: 2380-سنن ابن ماجه: 3349-إرواء الغليل للألباني:1983)

"آدمی اپنے پیٹ سے بُرا کوئی برتن نہیں بھرتا، حالانکہ ابن آدم کو تو چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں، لیکن اگر زیادہ کھانا ضروری ہو تو ایک تہائی کھانا ہو، ایک تہائی پانی اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے چھوڑ دے۔"

درحقیقت کھانے کا مقصد صرف صحت اور زندگی بحال رکھنا ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ اس کے لیے تو چند لقمے ہی کافی ہیں، کیونکہ انسان کی زندگی کا مقصدِ اصلی یہ ہے کہ وہ اپنی اس مستعار زندگی کو اس کے حقیقی مالک کی عبودیت وبندگی اور اس کے دِین کی خدمت میں کھپا دے اور اُخروی امتحان کی تیاری کے لیے ملنے والی اس قیمتی مہلت کو فقط ہوائے نفسانیہ کی تکمیل میں ہی نہ ضائع کر دے۔ لیکن اگر زیادہ کھانے کو جی چاہے تو اس کے لیے بھی یہ ضابطہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اپنے سارے پیٹ کو کھانے سے ہی نہیں بھر لینا چاہیے، بلکہ اس کے تین حصے کیے جائیں: ایک حصہ کھانے کے لیے، ایک پانی کے لیے اور ایک سانس لینے کے لیے خالی چھوڑ دیا جائے۔

اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مَطْعَمَ بَنِي آدَمَ ضُرِبَ مَثَلًا لِلدُّنْيَا فِيمَا يَخْرُجُ مِنَ ابْنِ آدَمَ وَإِنْ مَلَّحَهُ وَقَزَّحَهُ فَيَعْلَمُ إِلَى مَا يَصِيرُ.»(مسند أحمد: 136/5، سلسلة الأحاديث الصحيحة:382)

"بلاشبہ انسان کے کھانے کی مثال دنیا کے لیے یہ اس طور دی گئی ہے کہ وہ انسان سے خارج ہوتا ہے، اگرچہ اس نے اسے نمکین و مصالحے دار بنایا ہو لیکن وہ جانتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔"

اکٹھے مل کر کھانے کی فضیلت

وحشی بن حرب اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ

أَنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَأْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ، قَالَ: «فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُونَ.» قَالُوا: نَعَمْ قَالَ: «فَاجْتَمِعُوا عَلَى طَعَامِكُمْ، وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيهِ.»(سنن أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب في الاجتماع على الطعام: 3764، سنن ابن ماجه، كتاب الأطعمة، باب الاجتماع على الطعام: 3286، سلسلة الأحاديث الصحيحة:664)

"نبی ﷺ کے صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم کھانا کھاتے ہیں تو سیر نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید تم الگ الگ کھاتے ہو؟ صحابہؓ نے جواب دیا: جی ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سب اکٹھے مل کر کھایا کرو اور اللہ کا نام بھی لیا کرو) یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھایا کرو(، تمہارے کھانے میں برکت ڈال دی جائے گی۔"

بغیر دعوت کھانے میں شرکت

ابوشعیب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ: فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْجُوعَ، فَأَتَيْتُ غُلَامًا لِي قَصَّابًا وَأَمَرْتُهُ أَنْ يَجْعَلَ لَنَا طَعَامًا لِخَمْسَةِ رِجَالٍ، ثُمَّ دَعَوْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَجَاءَ خَامِسَ خَمْسَةٍ وَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ، فَلَمَّا بَلَغَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْبَابَ قَالَ: «إِنَّ هٰذَا قَدْ تَبِعَنَا، فَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَأْذَنَ لَهُ وَإِلَّا رَجَعَ.» فَأَذِنَ لَهُ

(صحيح بخارى، كتاب الأطعمة، باب الرجل يتكلف الطعام لإخوانه: 5434-صحيح مسلم، كتاب الأشربة: 2036)

"میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے ہی پہچان لیا کہ آپ ﷺ کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں اپنے غلام کے پاس آیا جو قصاب تھا، میں نے اسے کہا کہ وہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کر دے۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی،(باقی چار لوگوں کے ساتھ) پانچویں آپ ﷺ تشریف لائے اور ان کے پیچھے ایک اور آدمی آگیا، جب رسول اللہ ﷺ (ہمارے گھر کے) دروازے کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا: یہ آدمی ہمارے پیچھے چلا آیا ہے، سو اگر تم چاہو تو اسے اجازت دے دو، وگرنہ یہ واپس چلا جائے گا۔ چنانچہ) صاحب خانہ نے (اسے بھی اجازت دے دی۔"

اس حدیث سے یہ بات احاطۂ علم میں آتی ہے کہ جو لوگ دعوت پر مدعو ہوں صرف وہی کھانے میں شرکت کا حق رکھتے ہیں، اور اگر کوئی بغیر دعوت کے آجائے تو اس کے لیے اجازت لینا ضروری ہے، اگر صاحبِ خانہ اجازت دے گا تو وہ بھی شریک ہو جائے گا اور اگر نہیں دے گا تو اسے شرکت کا حق حاصل نہیں ہے بلکہ اسے واپس جانا ہو گا۔

کھانا کھلانے والے کے لیے دعا

عبداللہ بن بُسر بیان کرتے ہیں کہ:

إِنّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرّ بِأَبِيهِ وَهُوَ عَلَى بَغْلَةٍ لَهُ بَيْضَاءَ، فَأَتَاهُ فَأَخَذَ بِلِجَامِهَا، فَقَالَ: انْزِلْ عَلَيّ، فَنَزَلَ عَلَيْنَا، فَأَتَى بِتَمْرٍ وَسَوِيقٍ، فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُ ثُمّ يَضَعُ النّوَى عَلَى ظَهْرِ السّبّابَةِ وَالْوُسْطَى أَوْ عَلَيْهِمَا جَمِيعًا ثُمّ يَرْمِي بِهِ، قَالَ: وَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُ ثُمّ أَتَاهُ بِقَدَحٍ مِنْ لَبَنٍ أَوْ سَوِيقٍ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمّ أَعْطَاهُ الّذِي عَلَى يَمِينِهِ، فَأَرَادَ أَنْ يَسِيرَ أَوْ يَرْتَحِلَ، فَقَالَ: ادْعُ لَنَا، فَقَالَ: «اللّٰهُمّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ.»(صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب وضع النوى خارج التمر واستحباب دعاء الضيف لأهل الطعام: 2042)

”رسول اللہ ﷺ میرے والد کے پاس سے گزرے اور آپ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار تھے، تو میرے والد آپ ﷺ کے پاس آئے اور (خچر کی) لگام پکڑ کر عرض کیا: میرے گھر تشریف لائیے، تو آپ ﷺ تشریف لے آئے۔ میرے والد کھجور اور ستّو لائے، آپ ﷺ انہیں کھانے لگے اور گٹھلیاں انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کی پُشت پر یا ان دونوں پر رکھتے گئے، پھر انہیں پھینک دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، آپ ﷺ کھانے لگے، پھر دودھ یا ستّو کا پیالہ لایا گیا، آپ ﷺ نے نوش فرمایا اور اپنے داہنی جانب والے کو دیا، پھر جب آپ ﷺ جانے لگے تو (میرے والد) نے کہا: ہمارے لیے دعا فرما دیجیے، تو آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: اَللّٰهُمّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ ”اے اللہ! جو تونے انہیں عطا فرمایا ہے اس میں برکت ڈال دے، انہیں بخش دے اوران پر رحم فرما۔“

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَزُورُ الْأَنْصَارَ فَإِذَا جَاءَ دُورَ الْأَنْصَارِ أَتَاهُ صِبْيَانُ الْأَنْصَارِ فَيَدُورُونَ حَوْلَهُ فَيَدْعُو لَهُمْ وَيَمْسَحُ رُءُوسَهُمْ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ، فَأَتَى النّبِيُّ ﷺ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فَسَلّمَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ: «السّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ»، فَسَمِعَ سَعْدٌ فَرَدّ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَمْ يَسْمِعِ النّبِيُّ ﷺ رَدّهُ، فَقَالَ النّبِيُّ ﷺ: «السّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ»، فَرَدّ سَعْدٌ وَلَمْ يَسْمَعِ النّبِيُّ ﷺ ثَلَاثَ مَرّاتٍ، قَالَ: وَكَانَ النّبِيُّ ﷺ لَا يَزِيدُ عَنْ ثَلَاثِ تَسْلِيمَاتٍ، فَإِنْ أُذِنَ لَهُ وَإِلّا رَجَعَ، قَالَ: فَانْصَرَفَ النّبِيُّ ﷺ، وَجَاءَ سَعْدٌ مُبَادِرًا، فَقَالَ: يَا نَبِيّ اللهِ، وَالّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا سَلّمْتَ تَسْلِيمَةً إِلّا قَدْ سَمِعْتُهَا وَرَدَدْتُهَا عَلَيْكَ، وَلَكِنْ أَحْبَبْتُ أَنْ تُكْثِرَ عَلَيْنَا مِنَ السّلَامِ وَالرّحْمَةِ، ادْخُلْ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: فَدَخَلَ فَتَحَدّثْنَا، فَقَرّبَ إِلَيْهِ سَعْدٌ طَعَامًا، فَأَصَابَ مِنْهُ النّبِيُّ ﷺ، فَلَمّا أَرَادَ أَنْ يَنْصَرِفَ قَالَ: «أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ، وَأَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصّائِمُونَ، وَصَلّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ.»(صحيح بخارى، كتاب النكاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله: 5177، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب زواج زينب بنت جحش: 1432)

”رسول اللہ ﷺ انصار سے ملنے جایا کرتے تھے، جب آپ ﷺ انصار کے گھروں کے پاس پہنچتے تو انصاری بچے آپ کے پاس آجاتے اور آپ ﷺ کے ارد گرد چکر لگانے لگتے۔ آپ ﷺ ان کے لیے دعا فرماتے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور انہیں سلام کہتے۔ (ایک روز) سعد بن عبادہ کے ہاں تشریف لائے اور انہیں اَلسّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہا، سعدؓ نے سلام سنا تو رسول اللہ ﷺ کو سلام کا جواب دیا لیکن آپ ﷺ کو اس کا جواب نہ سنا، آپ ﷺ نے پھر اَلسّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہا، سعدؓ نے سُن کر جواب دیا لیکن نبی ﷺ کو پھر نہ سنا، آپ ﷺ نے تین مرتبہ سلام کہا، اور نبی ﷺ تین مرتبہ سے زیادہ سلام نہیں کہا کرتے تھے، سو اگر اجازت مل جاتی (تو اندر تشریف لے جاتے) وگرنہ واپس چلے آتے۔ چنانچہ نبی ﷺ واپس آگئے اور سعد رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کیا: اے پیغمبرِ خدا! اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے، آپؐ نے جو بھی سلام کہا ہے میں نے وہ سنا بھی ہے اور اس کا جواب بھی دیا ہے، (لیکن آہستہ جواب دینے کی وجہ یہ ہے کہ) میں چاہتا تھا کہ آپؐ مجھے زیادہ سے زیادہ سلامتی اور رحمت کی دعا دیں، اے اللہ کے رسول! تشریف لائیے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ تشریف لے گئے، ہم باتیں کرنے لگ گئے تو سعدؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا، آپ ﷺ نے اس سے کچھ کھالیا، پھر جب آپ ﷺ نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو یہ دعا فرمائی:

أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ وَأَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصّائِمُونَ وَصَلّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ

”تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں، تمہارے پاس روزے دار افطاری کریں اور فرشتے تمہیں دعائیں دیں۔“

☆☆☆

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جس طرح صدقہ مال کی زکاۃ ہے، اسی طرح بیماری بدن کی زکاۃ ہے۔ پس جس جسم کو کوئی تکلیف نہ ہو، وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ مال جس کی زکاۃ ادا نہ کی جائے۔“

(آداب الحسن البصری: 53)



محمد سرور محمدی رحمہ اللہ؛ توحید و سنت کی ایک شناخت

محمد عبدالرحمٰن ندوی (سابق مبعوث مرکز الدعوۃ والارشاد، دوحہ۔ قطر)

(قسط 04)

مدرسہ محمدیہ دار القرآت:

مسجد شعبان خان کی آبادی 1954ء میں عمل میں آئی۔ اس مسجد کو آباد رکھنے کے لئے یہاں ایک دینی صباحی مدرسہ 'مدرسہ محمدیہ دار القرآت' کے نام سے قائم کیا گیا، جس میں جناب محمد افضل محمدی محلہ کے بچوں کو مفت میں دینی تعلیم دیتے رہے، قرآن ناظرہ، دعائیں، سورتیں اور دینی مسائل بچوں کو حفظ کرائے جاتے۔

کچھ عرصہ بعد محمد سرور صاحب کے پڑوس میں ایک حافظ قرآن مجید جناب حافظ قاری عبدالرحیم صاحب نے مکان خریدا اور مسجد شعبان خان کے مصلی بن گئے۔ موصوف کا شمار حیدر آباد کے معروف حفاظ اور قراء میں تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جناب محمد افضل صاحب نے 'دار القراءت' قائم کیا اور محلہ کے چند نوجوانوں کو جمع کیا اور حافظ صاحب سے استفادہ کرنے لگے۔ اس طرح بالغان کی ایک جماعت قائم ہوگئی اور جامعہ نظامیہ سے قراءتِ حفص، عاصم کوفی کے سالانہ امتحان میں شریک ہو کر امتیازی کامیابی حاصل کی، یہ یہاں کا پہلا قافلۂ علم تھا، جس نے فراغت حاصل کی، اس میں قابل ذکر سرخیل، جناب محمد افضل محمدی، جناب مولوی عبد العزیز چیتاپوری (مدرس مدرسہ ہذا) جناب محمد تسکین علی نیازی) پروفیسر کلیفورنیا یونیورسٹی، امریکہ جناب عبدالوہاب صاحب (انجینئر) تھے جو بعد میں اپنے ناموں کے ساتھ " قاری " لکھنے لگے اور اسی سے وہ معروف ہوگئے۔

تجوید و قرآت کا یہ سلسلہ حافظ عبد الرحیم صاحب کے دوسرے محلہ میں منتقل ہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ بعد موقوف ہو گیا۔ البتہ ان کے شاگردان جناب قاری محمد افضل محمدی اور جناب قاری مولوی عبد العزیز چیتاپوری نے حسب معمول طلباء پر اپنی محنت جاری رکھی اور تاحال قاری عبد العزیز صاحب اس مدرسہ سے وابستہ ہیں، مسجد شعبان خان میں قیام مدرسہ ہی سے موصوف وابستہ ہیں۔ اس مسجد کے وہ پہلے مصلی ہیں۔ مخفی مبار کہ موصوف جناب محمد افضل محمدی اور جناب محمد سرور محمدی کے شانہ بہ شانہ، دوش بدوش قدیم بہ قدم، تقریباً چالیس سال سے ہمسفر و ہمرکاب ہیں، جن سے اس مدرسے کے سیکڑوں طلباء نے علمی استفادہ کیا ہے۔ افسوس، اس کاروان کا ایک ساتھی 'محمد سرور محمدی' اپنے دو رفیق کاروں کو اپنا جانشین چھوڑ کر راہی اجل ہو گیا۔

آسمان اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

دار الحدیث محمدیہ:

1995 میں مدرسہ محمدیہ دار القرآت و تجوید القرآن کو ہمہ وقتی بنایا گیا اور اس میں ابتدائی تعلیم کے ساتھ شعبہ حفظ کا بھی اضافہ عمل میں آیا اور مدرسہ کو ہمہ وقتی بنایا گیا۔ اور اس کا نام نے دار الحدیث محمدیہ تحفیظ القرآن' رکھا گیا۔ اس کی سرپرستی دونوں بزرگ برادران جناب محمد افضل محمدی اور جناب محمد سرور محمدی کو حاصل رہی اور اس کی انتظامی ذمہ داریاں جناب عبدالقدیر محمدی اور جناب عبد الحق محمدی (فرزندان جناب محمد سرور محمدی) نے سنبھالی اور جناب محمد عطاء اللہ بخاری ابن جناب ڈاکٹر محمد عبد الصمد صمدانی فاضل نے اس کی تکمیل تھامی۔

الحمد للہ دو سال کے مختصر عرصہ میں اس مدرسہ نے مثالی ترقی کی ہے۔ اس وقت یہاں صبح 4 بجے (فجر سے پہلے) سے رات کے 12 بجے تک مدرسہ کے طلباء سے مسجد ہمیشہ معمور و پُر رونق رہتی ہے، فی الوقت اس میں تقریباً ڈھائی سو طلباء وطالبات ابتدائی، حفظ، مولوی اور بالغان کی جماعتوں میں زیر تعلیم ہیں اور تقریباً 15 اساتذہ کرام اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یہ تمام خوش آئند باقیات الصالحات انھیں دو بزرگ برادران جناب محمد افضل محمدی اور جناب محمد سرور محمدی کی رہین منت رہیں گی۔

داتا رکھے آباد ساقی تیری محفل کو

وضاحت: راقم الحروف کا مقصد جناب محمد سرور محمدی رحمہ اللہ علیہ کے کارہائے نمایاں کو بتاناہے۔ لیکن اس مضمون میں ان کے برادر اکبر جناب محمد افضل محمدی کا بھی بار بار ذکر آرہاہے۔ اس لئے یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ دونوں بزرگ حقیقی برادران ہیں۔ ان کی سوانح عمری ایک دوسرے سے گتھی ہوئی ہے کیونکہ زندگی کے ہر موڑ پر ان دونوں برادران نے ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑا، ہر مشورہ اور ہر کام میں دونوں کا عمل دخل رہتا۔ اس قسم کی مثال بہت ہی خال خال نظر آئے گی۔ حالانکہ ہر ایک کی خانہ دار زندگی علیحدہ علیحدہ تھی۔ جہاں تک دینی، ملی اور جماعتی خدمات ہیں، وہ ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ انہیں جدا کرنا مشکل ہے، اگرچہ کہ قضائے الٰہی نے انہیں جسمانی طور سے الگ کر دیا

ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی اس رفاقت کو قائم و دائم رکھ کر جنت الفردوس کے بالا خانوں میں مقام عطا فرمائے۔ آمین

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

عائلی حالات:

جناب محمد سرور صاحب محمدی کی والدہ محترمہ رابعہ بی سے دو لڑکے تولد ہوئے۔ جناب محمد افضل محمدی تاریخ پیدائش 1921ء اور جناب محمد سرور محمدی تاریخ پیدائش 1924ء والدہ محترمہ بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئیں، جبکہ بڑے صاحبزادے کی عمر تقریباً 8 سال اور چھوٹے صاحبزادے کی عمر 4 سال تھی۔ بڑے صاحبزادے کو اپنی والدہ کا کسی قدر خیال ہے جبکہ چھوٹے صاحبزادے کو کچھ نہیں۔

والد محترم نے دوسری شادی کی جن کا نام اکبر بی تھا۔ ان کے بطن سے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ جن میں ایک لڑکی داعی اجل کو لبیک کہ گئیں۔

والد محترم کا انتقال 1958ء میں اور والدہ محترمہ کا اس کے بعد انتقال ہو گیا۔ جناب محمد سرور صاحب نے تین شادیاں کیں۔

پہلی زوجہ جن کا نام افضل بی تھا ان سے چار اولاد ہوئی، دو فرزند، مولانا ڈاکٹر عبد الرب ثاقب عمری (حال مقیم برمنگھم، لندن) اور عبد القدیر (منتظم دارالحدیث محمدیہ حیدر آباد) ایک صاحبزادی کا بچپن ہی میں انتقال ہو چکا، اور بڑی صاحبزادی دہلی میں مقیم ہے۔ پہلی زوجہ محترمہ طویل علالت کے بعد انتقال کر گئیں۔

دوسری زوجہ محترمہ جن کا نام شہزادی بیگم تھا۔ ان سے دو صاحبزادیاں تھیں جو اپنی والدہ کی طلاق کے بعد انھیں کے ساتھ رہتی ہیں۔

تیسری زوجہ محترمہ جن کا نام امۃ الودود ہے۔ اُن سے 14 اولاد ہوئی۔ جن میں 6 صاحبزادے اور 8 صاحبزادیاں ہیں۔ صاحبزادوں میں قابل ذکر یہ ہیں:

عبد الحق محمدی (منتظم دارالحدیث محمدیہ حیدر آباد)، مولوی عبد الخالق عمری (استاذ دار الحدیث محمدیہ حیدر آباد) اور عبد الجبار (متعلم) اور ما باقی کمسن ہیں۔

صرف بڑے صاحبزادے عبد الحق محمدی شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔ اور صاحبزادیوں میں پانچ شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔ دو صاحبزادیاں غیر شادی شدہ کمسن ہیں، جبکہ ایک صاحبزادی بچپن ہی میں ولادت کے بعد وفات پا گئیں۔

☆☆☆

برمنگھم میں جلسۂ استقبال رمضان

جامع مسجد محمدی ھارٹپ روڈ آلم راک برمنگھم میں رمضان المبارک سے ایک ہفتہ قبل جلسہ استقبال رمضان کا اہتمام کیا گیا تھا۔ تاکہ رمضان کی آمد سے قبل اس کی اہمیت وفضیلت سے واقف ہو کر اس سے پوری طرح استفادہ کیا جا سکے اور غفلت اور سستی دور ہو، اس جلسہ سے مولانا عبد الہادی العمری صدر مجلس القضاء الاسلامی برطانیہ، مولانا محمد منیر قاسم بانی مسجد الفرقان شبلی، بریڈ فورڈ اور مولانا شیر خان جمیل احمد عمری رکن مجلس القضاء اسلامی برمنگھم نے بڑے ہی مؤثر انداز میں روزوں کے اسرار و رموز اور اس کی حدود و قیود پر روشنی ڈالی اور اس کے مقصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ تقویٰ کا حصول اس کا بہت بڑا مقصد ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح ہم دنیا میں ایک خاردار راستے سے گزرتے ہوئے بڑی احتیاط سے گزرتے ہیں کہ کہیں خار دار جھاڑی اور کانٹوں سے ہمارے کپڑے الجھ نہ جائیں، اسی طرح اس دنیا میں بہت سے محارم اور اسلام کی ناپسندیدہ چیزیں اور برائیاں موجود ہیں، ان سے دامن بچا کر گزر جانے کا نام تقویٰ ہے، اسی تقویٰ کی ٹریننگ کے لیے رمضان کے روزے فرض کیے گئے ہیں۔

امیر مسجد حاجی عبد الغفور نے جلسہ کی نگرانی کی، جناب محمد سلیمان چوہدری، حاجی اللہ دتہ، محمد امجد، جناب عجائب خان، حاجی باقی جان، محمد فاروق نسیم، محمد عاقب اور بہت سے معززین شریک تھ، خواتین بھی خاصی تعداد میں شریک تھیں۔ جلسہ کے اختتام پر تمام حاضرین کے لیے بہترین طعام کا انتظام کیا گیا تھا۔ اللہ کریم تمام منتظمین و معاونین جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

مسلمانو! اٹھو اب ماہ رمضاں آنے والا ہے
کرو تیاریاں روزوں کی شعباں جانے والا ہے

ڈاکٹر عبد الرب ثاقب ڈڈلی

☆☆☆

صدقۃ الفطر میں غلہ کی قیمت دینا بھی جائز ہے

اگر کسی شخص کے پاس صدقۃ الفطر ادا کرنے کے لیے غلہ موجود نہیں ہے، جیسا کہ عموماً شہری آبادی کی حالت ہوتی ہے، تو یہ ضروری نہیں کہ وہ بازار سے غلہ خرید کر صدقۃ الفطر ادا کرے، بلکہ سال یا سال کا اکثر حصہ جس غلہ کو وہ خوراک کے طور پر استعمال کرتا ہے، فی کس ایک صاع کے حساب سے اس کی قیمت ادا کر دے، مثلاً ایک شخص کے گھر کے چھوٹے بڑے دس افراد ہیں، اور وہ سال یا سال کا بیشتر حصہ گیہوں یا چاول استعمال کرتا ہے، تو وہ صدقۃ الفطر میں ۱۰ صاع گیہوں یا ۱۰ صاع چاول کی بازار کے نرخ کے مطابق قیمت ادا کر دے، مگر یہ بالکل غیر مناسب ہے، کہ اس کی عام خوراک تو گیہوں یا چاول ہوں، لیکن وہ صدقۃ الفطر میں معمولی قسم کا غلہ یا اس کی قیمت ادا کرے۔

عمدۃ الأحکام

عمدۃ الأحکام؛ نماز (فرض) کے بعد مسنون اذکار سے متعلق

فضل الرحمٰن حقانی، خطیب وامام محمدی مسجد نیلسن یوکے

(قسط 56)

نماز (فرض) کے بعد مسنون اذکار سے متعلق

حدیث نمبر:131

عَنْ عبداللّه بن عمر رضي الله عَنْه : أنّ رسول الله ﷺ قال: «مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ». (رواه البخاري، كتاب الجمعة، باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل، برقم 894، ومسلم، كتاب الجمعة، برقم 844)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ:

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے لئے آئے تو چاہئے کہ وہ غسل کرے۔“

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی:

1 - جَاءَ : وہ آیا۔

2 - مِنْكُمْ : تم میں سے۔

3 - اَلْجُمُعَةَ : جمعہ کا دن مراد اس سے نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے۔

4 - فَلْيَغْتَسِلْ : پس چاہئے کہ وہ غسل کرے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔ جمعہ کے روز غسل کرنے کا حکم اس شخص کو ہے جو جمعہ پڑھنے کے لیے آئے چاہے وہ مرد ہو یا عورت البتہ جو جمعہ نہ پڑھ سکتا ہو اس کے لیے یہ حکم نہیں ہے اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی باب باندھنے کا مقصد ہے۔

2۔ غسل جمعہ جمہور اہل علم کے نزدیک سنت ہے فرض نہیں ہے۔

3۔ جمعہ کے دن غسل کرنے کا فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان زیادہ چست ہوتا ہے اور زیادہ بہتر توجہ سے نماز، ذکر و اذکار اور خطبہ سنتا ہے اور غسل میں وضوء کی نسبت زیادہ طہارت و صفائی ستھرائی ہے۔ اور عبادات میں یہ دونوں چیزیں مطلوب و مستحسن ہیں۔

4۔ جو کسی عذر شرعی کی بناء پر نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتا اسکے لئے جمعہ کا غسل سنت نہیں ہے البتہ ویسے اگر غسل کرنا چاہیے تو کوئی ممانعت نہیں ہے۔

حدیث نمبر:132

عَنْ جابر بن عبداللّه رضي الله عَنْه قال : «جَاءَ رَجُلٌ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَالَ : «صَلَّيْتَ يَا فُلَانُ؟» قَالَ : لا، قَالَ : «قُمْ فَارْكَعْ رَكْعَتَيْنِ». وفي رواية «فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ».(رواه البخاري، كتاب الجمعة، باب إذا رأى الإمام رجلاً جاء وهو يخطب، برقم 930، ومسلم، كتاب الجمعة، باب التحية والإمام يخطب، برقم 55- (875). رواه البخاري، كتاب الجمعة، باب من جاء والإمام يخطب، برقم 931، ومسلم، كتاب الجمعة، باب التحية والإمام يخطب، برقم 55- (875)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ:

سیدنا حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ ایک شخص آیا جبکہ جمعہ کے دن نبی کریم ﷺ لوگوں کو خطبہ جمعہ دے رہے تھے آپ نے فرمایا: اے فلاں کیا تو نے نماز (تحیۃ المسجد) پڑھ لی ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے فرمایا اٹھ اور دو رکعت پڑھ لو۔ ایک روایت میں "پھر انہوں نے دو رکعات پڑھیں" کے الفاظ مذکور ہیں۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی:

1 - يَخْطُبُ النَّاسَ : وہ لوگوں کو خطبہ دیتا ہے / دے گا۔

2 - اَصَلَّيْتَ : کیا تو نے نماز پڑھی ہے؟

3 - قُمْ : تم اُٹھو۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔ خطبہ جمعہ کی اہمیت۔

2۔ حدیث مبارکہ میں تحیۃ المسجد کی اہمیت اور تاکید کا ذکر ہے۔ جب بھی کوئی مسجد میں داخل ہو تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھ کر بیٹھے۔ اگرچہ مقتدی دوران خطبہ جمعہ آئے اس کو بھی یہی حکم ہے اور حدیث میں اس کی صراحت ہے مگر احناف دوران خطبہ دو رکعت پڑھنے کے قائل نہیں ہیں یہ صحیح اور صریح حدیث ان کے خلاف ہے تعجب ہے احناف صریح اور صحیح حدیث کی باطل تاویلات کرتے ہیں۔

3۔ اگر کوئی مسجد میں داخل ہونے کے بعد تھوڑا سا بیٹھ جائے یا کوئی معمولی سا کام کر لے اس سے تحیۃ المسجد کا وقت ختم نہیں ہوتا اسے بہر حال مسجد میں داخل ہونے کے بعد تحیۃ المسجد پڑھ لینی چاہیے جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلیک بن ہدیہ غطفانی رضی اللہ عنہ تھوڑا سا بیٹھے پھر نبی کریم ﷺ نے اسے حکم دیا کہ اٹھو اور تحیۃ المسجد پڑھو۔

4۔ خطیب دوران خطبہ مقتدی / مقتدیوں سے خطبہ کے علاوہ بھی ضروری بات کر سکتا ہے اور اس سے خطبہ کا سننا متاثر نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی خطیب کے لیے کوئی حرج ہے۔

5۔ نبی کریم ﷺ کا اسوہ مبارکہ یہ تھا کہ آپ بعض دفعہ مصلحت اور ضرورت کے تحت غلطی دیکھتے ہی متعلقہ شخص کی راہنمائی کر دیا کرتے تھے۔

6۔ تاخیر سے آنے والا خطبہ کے دوران قدرے ہلکی نماز پڑھے گا کیونکہ بعض احادیث میں اس کی بھی وضاحت ہے۔



اعتکاف کے فضائل و آداب

ڈاکٹر عمران اسلم

خطبہ مسنونہ کے بعد

مسلمانان گرامی!

روز و شب بہت تیزی سے گزر رہے ہیں۔ وقت کی تلوار ہمیں کاٹ رہی ہے۔ رمضان کے بابرکت لمحات پر لگا کر اڑتے جا رہے ہیں۔ ہمارا دینی اور شرعی فریضہ ہے کہ ہم رمضان کے بقیہ اوقات کو غنیمت جانیں اور ان کو اس انداز میں گزاریں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب تر کر دیں اور جو ہماری دنیوی و اخروی کامیابی کا ضامن بن جائیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا 0 يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورۃ الأحزاب:70، 71)

”اے ایمان لانے والو، اللہ سے ڈرو اور ٹھیک بات کیا کرو اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔“

اے مسلمانو!

رمضان کے آخری عشرے کی فضیلت اور اجر بہت زیادہ ہے اور اس کی قدر و منزلت بے حد و حساب ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس عشرہ میں عام دنوں سے زیادہ عبادت کرتے۔ آپ ﷺ اس عشرہ کی راتوں میں خود جاگتے، اپنے اہل و عیال کو جگاتے اور عبادت کے لیے کمربستہ ہو جاتے۔

اس عشرے میں ایک رات ایسی بھی ہے جو ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«من قام ليلة القدر إيمانًا واحتسابًا غُفِر له ما تقدّم من ذنبه»

”جس نے لیلۃ القدر میں ایمان اور ثواب کی نیت سے قیام کیا اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔“

اس عشرے کی راتوں میں عاجزی اور دعاؤں میں گڑگڑا کر اللہ کی طرف رجوع کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر میں لیلۃ القدر کو پاؤں تو کیا پڑھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«قولي: اللّٰهُمَّ إنك عفوٌّ تحبُّ العفوَ فاعفُ عني»

”تو کہہ: اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے معافی کو پسند کرتا ہے، مجھے معاف فرما دے۔“

مسلمانان گرامی!

اس عشرہ میں اعتکاف کرنا ایک مسنون عمل ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس میں اعتکاف فرمایا اور آپ کی ازواج نے بھی آپ ﷺ کی زندگی اور وفات کے بعد بھی اعتکاف فرمایا۔

اعتکاف سے مقصود اپنے نفس کو اطاعت الٰہی پر لگانا اور دیگر خلق سے قطع تعلق کر کے خالق کے ساتھ قرب اختیار کرنا ہے۔ یاد رہے کہ علما کے صحیح اقوال کی روشنی میں اعتکاف کی کم ترین مدت ایک دن یا ایک رات ہے۔

عورت کے لیے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مسجد کے علاوہ کسی بھی اور جگہ پر اعتکاف کر درست نہیں ہے۔ اعتکاف کرنے والی خواتین کو چاہیے کہ وہ ستر و حجاب کا خصوصی اہتمام کریں۔

اے مسلمانو!

معتکف پر لازم ہے کہ وہ بغیر کسی شرعی اور حسی عذر کے مسجد سے نہ نکلے۔ شرعی عذر سے مراد جمعہ کے لیے جانا۔ اور حسی عذر سے مراد قضائے حاجت کے لیے جانا ہے۔ یا کھانے کے لیے نکلنا جب کوئی دوسرا کھانا پہنچانے والا نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”معتکف کے لیے مسنون طریق یہ ہے کہ وہ بلا اشد ضرورت مسجد سے نہ نکلے جب نبی کریم ﷺ اعتکاف کرتے تو اپنے گھر میں فقط حوائج ضروریہ کے لیے داخل ہوتے تھے۔“

دوران اعتکاف معتکف مریض کی عیادت، جنازے میں شرکت اور کسی قریبی رشتہ دار کو ملنے کے لیے بھی نہ جائے۔

سلف صالحین کے مطابق معتکف کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے خیمے ہی میں رہے اور صرف نماز کے لیے خیمے سے باہر نکلے۔ معتکف دوسروں سے باتوں اور اپنے اوقات کو بلاوجہ ضائع کرنے سے گریز کرے۔ البتہ اگر کوئی مہمان ملنے کے لیے آیا ہو تو اس سے کچھ دیر باتیں کی جا سکتی ہیں۔ جیسا کہ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے اعتکاف کے دوران ملنے کے لیے آئیں تو آپ ﷺ کچھ دیر ان سے باتیں کرتے رہے۔ اسی طرح معتکف کو چاہیے کہ وہ حرام

امور مثلاً غیبت، چغلی وغیرہ سے بچنے کا خصوصی اہتمام کرے۔ معتکف کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسجد کے آداب کا خیال رکھے اور کسی قسم کی بد تہذیبی کا مظاہرہ نہ کرے۔ علاوہ ازیں پاکیزگی و طہارت کا خصوصی اہتمام کرے اور صاف ستھرے کپڑے زیب تن کرے۔

معتکف کو چاہیے کہ وہ مجالس سے اجتناب کرے چاہے ان مجالس میں کوئی علمی گفتگو ہی نہ چل رہی ہو۔ اور تو اور علمائے کرام نے معتکف کے لیے حلقوں کی صورت میں حدیث و فقہ کی تدریس حتیٰ کہ اس انداز میں قرآن کی قراءت کو بھی جائز قرار نہیں دیا۔ امام مالک و امام احمد رحمہا اللہ کا یہی موقف ہے۔ ابن قیم نے بھی اعتکاف کے احکام میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

فاتقوا الله - أيها المسلمون -، وأرُوا اللهَ من أنفسكم خيرًا، وأكثِروا من الابتهال والدعاء.

بارك الله لي ولكم في القرآن، ونفعنا بما فيه من الآيات والذكر الحكيم، أقولُ هذا القولَ، وأستغفرُ الله لي ولكم ولسائرِ المسلمين من كل ذنبٍ، فاستغفِروه، إنه هو الغفور الرحيم

دوسرا خطبہ

خطبہ مسنونہ کے بعد،

اے مسلمانو!

ہمارے لیے سعادت کی بات ہے کہ خادم حرمین الشریفین تمام مسلمانوں کا دکھ درد محسوس کر کے ان کے مسائل کے حل کے لیے کوشاں ہیں اور ان کو ہر ممکن مدد فراہم کر رہے ہیں۔ اسی طرح تمام مسلمانوں کے حکام کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مبارک ایام کو سرمایہ سمجھیں اور تقویٰ وللٰہیت اختیار کریں۔ لوگوں کے مصالح کے لیے کام کرتے رہیں اور نیکی اور تقوی میں تعاون کو اپنا شعار بنالیں۔ دین کو دنیا پر ترجیح دیں، مظلوموں کی فریاد کو سنیں اور ان کو ظلم سے نجات دلانے کے لیے ہر ممکن مدد فراہم کریں۔ اسی کی طرف نبی کریم ﷺ نے بلایا ہے اور یہی قرآن کی دعوت ہے۔

مسلم ممالک کے تمام حکام قرآن و سنت کے نفاذ کے لیے کوشاں ہو جائیں کیونکہ یہی حقیقی عزت اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا راستہ ہے۔

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾

(سورۃ الإسراء:9)

”حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔“

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا:

«تركتُ فيكم ما إن تمسّكتم به لن تضِلُّوا: كتابَ الله وسنتي»

”میں تم میں کتاب اللہ اور سنت رسول چھوڑے جارہا ہوں، جب تک ان کو تھامے رکھو گے گمراہ نہیں ہوگے۔“

ألا وإن من أفضل الأعمال: الإكثارُ من الصلاةِ والتسليمِ على النبيّ الكريم.

اللَّهُمَّ صلِّ وسلِّم وبارِك على نبيِّنا ورسولنا وحبيبِنا محمدٍ، وارضَ اللَّهُمَّ عن الصحابةِ أجمعين، وعن التابعين ومن تبِعَهم بإحسانٍ إلى يوم الدين.

اللَّهُمَّ أصلِح أحوالَنا وأحوالَ المسلمين،
اللَّهُمَّ أصلِح أحوالَنا وأحوالَ المسلمين،
اللَّهُمَّ أصلِح أحوالَنا وأحوالَ المسلمين،
اللَّهُمَّ فرِّج همومَنا وهمومَ المؤمنين، اللَّهُمَّ نفِّس كرباتنا وكربات المسلمين، اللَّهُمَّ نجِّنا ونجِّ المسلمين من كل كربٍ يا ذا الجلال والإكرام، اللَّهُمَّ نجِّنا ونجِّ المسلمين من كل كربٍ وهمٍّ وغمٍّ يا ذا الجلال والإكرام.اللَّهُمَّ اكشف السوء عن المسلمين في الشام، وفي بورما، وفي فلسطين، وفي كل مكانٍ يا ذا الجلال والإكرام.اللَّهُمَّ اغفر للمسلمين والمسلمات الأحياء منهم والأموات.
اللَّهُمَّ آتنا في الدنيا حسنةً، وفي الآخرة حسنةً، وقِنا عذاب النار.اللَّهُمَّ إنك عفوٌّ تحبُّ العفوَ فاعفُ عنّا، عباد الله:

اذكروا الله ذكرًا كثيرًا، وسبِّحوه بكرةً وأصيلًا، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

☆☆☆

کون سا صاع معتبر ہے؟

مختلف ملکوں میں جنس یا غلہ ماپنے کے لیے مختلف پیمانے استعمال ہوتے کیے جاتے ہیں، مگر صدقۃ الفطر زکوۃ، کفارہ وغیرہ شرعی امور میں وہی پیمانہ استعمال کیا جائے گا، جسے شارع علیہ السلام نے مقرر کیا ہے، اور جو اسلامی لٹریچر میں صاع النبی ﷺ کے نام سے مشہور ہے، کتب احادیث میں بصراحت موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کا صاع «خَمْسَةَ أَوْ طَالٍ وَثُلُثُ رِطْلٍ» یعنی پانچ آدھ سیر، اور ایک آدھ سیر کا تہائی حصہ، ہمارے وزن کے مطابق ایک صاع تقریباً دو سیر گیارہ چھٹانک کا ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں صدقۃ الفطر اور کفارہ وغیرہ میں یہی صاع استعمال ہوتا تھا، اب بھی ان شرعی امور میں اسی پیمانہ کا استعمال سنت ہے، دوسرے چھوٹے بڑے ملکی یا غیر ملکی پیمانوں کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔ (نیل الاوطار، طبع مصر:256/2)



سوالات کے جوابات

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

آج کی نشست میں ان فتاوی کا اردو ترجمہ پیش کیا جارہا ہے جو یورپین کونسل برائے فتوی اور تحقیق کے 36ویں اجلاس منعقدہ اورفا (ترکی) میں بحث وتمحیص کے بعد اپنائے گئے ۔ (تباریخ 22-24 نومبر 2025ء)

قضاء شدہ نمازوں کا حکم

سوال: نماز کے احکام جاننے کے بعد مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ پچھلے کئی سالوں کی میری نمازیں بعض علماء کے نزدیک باطل قرار دی جائیں گی کہ جس کے کئی اسباب ہوسکتے ہیں، جیسے سورہ فاتحہ کی تلاوت میں غلطی کر جانا، نماز کی ادائیگی اس سرعت کے ساتھ کہ اس میں اطمینان نہ ہو یا طہارت (غسل اور وضو) کی شرائط کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو، چاہے وہ جہالت کی بنا پر ہو یا نسیان کی بنا پر ، قلبی اطمینان کی خاطر میں ان دو سوالات کے جوابات چاہتا ہوں:

1۔ اگر میری پچھلی نمازیں باطل ٹھہرائی گئیں تو کیا ان کا اثر بعد میں اداشدہ نمازوں پر بھی پڑے گا جو کہ تمام صحت کے ساتھ پڑھی گئیں ؟ یا ہر نماز کا حکم علیحدہ علیحدہ کیا جائے گا؟

2۔ کسی بڑی غلطی کی وجہ سے اگر ایک مسلمان کا عمل باطل ٹھہرایا گیا تو اس کے ساتھ آخرت میں کیا معاملہ کیا جائے گا، کیا اس کے لئے سچی توبہ کرنا، مزید علم حاصل کرنا، اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنا، نجات پانے کے لئے کافی ہو گا یا عمل کے ضائع ہونے کا بوجھ ہمیشہ اس پر سوار رہے گا؟

جواب: دین حنیف اللہ کے فضل سے آسانی اور مشقت کو ہٹانے پر قائم ہے۔ آپ کے سوال کے جواب میں عرض ہے :

1۔ جہاں تک نمازوں کے باطل ہونے اور ان کے اثرات کے باقی رہنے کا تعلق ہے، تو اہل علم کے نزدیک ان دو حالتوں میں فرق کیا جائے گا:

أ۔ جو شخص جان بوجھ کر نماز کی کوئی شرط (جیسے طہارت) کو چھوڑتا ہے تو سب کے نزدیک اس کی نماز باطل ہے، اسے اس کی قضا کرنا ہوگی، وہ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی۔" اور کوئی بھی شخص اگر جہالت، نسیان یا غلطی کی بنا پر نماز کو یا نماز کی کسی شرط کو کامل طور پر ادا نہیں کرپایا تو اس کی نماز صحیح قرار دی جائے گی اور اس کو لوٹایا نہیں جائے گا۔ خاص طور پر جب کہ اس پر کچھ وقت بھی گزر چکا ہو۔ ایک مسلمان پر اتنا ہی واجب ہے کہ جتنی اس کی استطاعت ہے ، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اور جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جتنی استطاعت ہو ، اتنا ہی اس پر عمل کرو۔"

اور اللہ تعالی کا بھی ارشاد ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (سورۃ البقرہ)

"اے رب! ہمارا مواخذہ نہ کرنا اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں۔"

اور یہ بات بھی جان لیں کہ ہر نماز اپنی علیحدہ شناخت رکھتی ہے۔ پچھلی ایک نماز کے باطل ہو جانے سے اگلی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اگر وہ درست ادا کی گئی ہو، اور پھر جب آپ نے جان بوجھ کر نماز میں کوئی کوتاہی نہیں کی تو آپ کو ایسی نماز کی قضا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اتنا کافی ہے کہ آپ توبہ کریں، دین پر قائم رہیں اور آئندہ مزید بہتری پیدا کریں۔

2۔ آپ کے دوسرے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ بندے کے اعمال کے مقابلے میں اللہ کی رحمت بے پایاں ہے۔ ایک نماز کا باطل ہونا، اس کے سارے اعمال پر پانی نہیں پھیر دیتا، اور نہ ہی اللہ کی مغفرت سے محروم کرتا ہے۔ اب جب کہ آپ نے توبہ بھی کرلی ہے، اصلاح کی کوشش بھی کررہے ہیں اور درست بات کو اپنارہے ہیں۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ﴾

"اور بے شک میں اس کی مغفرت کرنے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے، ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ہدایت پاجاتا ہے۔"

توخیر کی توقع رکھیئے، اللہ سے تعلق کو مضبوط کیجئے، اپنی نماز کو مزید بہتر بنائیے، توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور اللہ توبہ کرنے والوں کو خوش آمدید کہتا ہے۔

مطلقہ عورت سے کیا مرد نان ونفقہ کا مطالبہ کرسکتا ہے؟

سوال: کیا جس عورت کو میں طلاق دے چکا ہوں اور جو کہ میرے بچوں کی ماں ہے، کیا میں اس سے نفقے کا مطالبہ کرسکتا ہوں اور وہ اس لیے کہ اگر میں یہ مطالبہ نہ کروں تو وہ رہائش کا معاوضہ دینا بھی بند کردیں گے اور وہ معاشی مدد بھی جو مجھے بچوں کی وجہ سے ملتی ہے، میں اب ایک مخمصے میں گرفتار ہوں۔

بچوں کی ماں بچوں کو میری نگرانی اور کفالت میں

چھوڑنا چاہتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنے کام کے اوقات کم کرنا ہوں گے، جس کے نتیجے میں میری تنخواہ اتنی کم ہو جائے گی کہ گھر کے اخراجات پورے نہ ہو سکیں گے۔ برائے کرم میری رہنمائی کریں۔

جواب: جرمنی میں اجتماعی کفالت کا نظام اس بات کا ضامن ہے کہ ہر شہری یا مقیم کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ وہ اس بات کا اندازہ لگاتا ہے کہ ہر شخص کو اس کی آمدنی کے حساب سے اُسے اتنی مدد دی جائے، جس کا وہ استحقاق رکھتا ہے اور چونکہ باپ بچوں کی دیکھ بھال کر رہا ہے، تو جرمنی کے قانون کے مطابق ماں سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ باپ کی آمدنی کے مطابق بچوں کی کفالت کے ضمن میں نفقہ ادا کرے۔ اور اگر باپ یہ مطالبہ نہیں کرتا تو اُسے دوسرا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ ایک تو یہ کہ حکومت کی طرف سے جو مدد ملتی ہے، اس میں کمی واقع ہو جائے گی، کیونکہ ماں کی طرف سے ملنے والی رقم اس کی آمدنی ہی کا ایک حصہ ہے کہ اگر وہ اس کا مطالبہ نہیں کرتا، تو اسے یہ بوجھ خود اٹھانا پڑے گا اور دوسری جانب وہ بچوں کی دیکھ بھال کرنے کی بنا پر کام کے اوقات کم کرنے پر بھی مجبور ہو گا کہ جس کی وجہ سے اس کی اپنی آمدنی بھی کم ہو جائے گی۔

یہاں یہ شرعی قاعدہ ملحوظ رہنا چاہیے، کہ " لا ضَرر و لا ضِرار" " نہ کسی کو ضرر پہنچاؤ اور نہ ہی کوئی دوسرا تمہیں ضرر پہنچائے اور اس قاعدے کے مطابق شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ بچوں کی ماں سے نفقہ یا بطور عوض اس رقم کا مطالبہ کرے، جس کے لئے اسے کہا گیا ہے۔

طبی تعلیم کے ضمن میں سوَر کی کھال سے سلائی کرنا

سوال: زخموں کو سینے کے لئے میں نے ایک ورکشاپ میں اپنا نام لکھایا ہے اور اس مقصد کے لئے ہم خنزیر کی کھال جس کے ساتھ گوشت کا ایک ٹکڑا بھی ہوتا ہے، بطور سلائی استعمال کرتے ہیں۔ میں ہاتھ پر دستانے (Gloves) پہن کر یہ مشق کروں گا۔ چونکہ سؤر کی کھال کو مسّ کرنا ہو گا تو اس میں کوئی شبہ کی بات تو نہیں؟ مقصد صرف کھال کو سینے کی مہارت حاصل کرنا ہے۔

جواب: یہ بات تو طے ہے کہ سؤر کا گوشت، چربی اور اس کی قیمت سب حرام ہیں، اور اس بارے میں قرآن و حدیث کی تعلیمات واضح ہیں اور ایسے ہیں اکثر فقہاء کے نزدیک سؤر کا نجس ہونا بھی قرار دیا جا چکا ہے۔ لیکن متذکرہ صورت میں سائل ضرورت یا حاجت کی بنا پر کھال کو سینے کا ہنر جاننے کے لیے اس کام میں ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے، تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ اس قاعدے کے تحت آتا ہے کہ زخمیوں کی مرہم پٹی جان کی حفاظت کے ضمن میں جائز ہے۔ فقہاء یہ کہتے ہیں کہ وسائل کا حکم بھی وہی ہے جو مقاصد کا ہوتا ہے۔ بہر صورت کسی ایسے متبادل وسیلے کی تلاش جاری رہنی چاہیے، جو طاہر ہو۔

اور جہاں تک نجاست کو چھونے کا تعلق ہے تو فقہاء کا یہ بھی کہنا ہے کہ حاجت کی بنا پر نجاست کو چھونا حرام نہیں ہے۔

ابن قدامہ اپنی کتاب المغنی میں لکھتے ہیں: ”نجاست کا کھانا حرام ہے۔ مسّ کرنا حرام نہیں ہے اور چونکہ آپ دستانے پہن کر نجاست کو مسّ کر رہے ہیں تو جونہی دستانے اتاریں گے، نجاست کا حکم بھی جاتا رہے گا۔ واللہ اعلم

بیماری کی آڑ میں چھٹی لینا جب کہ تنخواہ بھی وصول کی جا رہی ہو

سوال: میں اٹلی میں مقیم ہوں اور ایک فارمیسی میں کام کر رہی ہوں۔ میرا سوال یہ ہے کہ کمپنی کی طرف سے عطا کردہ سالانہ چھٹی تو ختم ہو چکی ہے لیکن کثرتِ کار اور تھکاوٹ کی بنا پر میں کچھ مزید آرام کرنا چاہتی ہوں۔ جب میں نے اپنے مینجر سے بات کی تو اس نے کہا کہ وہ کمپنی کے حساب سے تو تنخواہ کے ساتھ چھٹی نہیں دے سکتا، لیکن اس نے یہ بھی کہا کہ اگر میں میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کر کے حکومت کی طرف سے مع تنخواہ چھٹی حاصل کرنا چاہوں تو اسے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ ایسی صورت میں تنخواہ انشورنس سے یا حکومت کی جانب سے ادا کی جاتی ہے، کمپنی پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا ہے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب: ایسا کرنا شرعاً قطعاً جائز نہیں، اور وہ اس لئے کہ آپ یہ چھٹی اپنے آرام اور راحت کی خاطر لینا چاہتی ہیں، چاہے مالکان کمپنی اس بات پر راضی بھی ہو جائیں، یہ معاملہ تو جھوٹ اور فریب پر مبنی ہو گا۔ یعنی آپ ایک مصنوعی سرٹفیکیٹ پیش کریں گی کہ میں بیمار ہوں اور پھر اس بیماری کے عوض حکومت کی طرف سے آپ کو تنخواہ بھی ملتی رہے گی۔ جس مال کو وصول کرنے کا استحقاق آپ کو حاصل نہیں وہ کیسے آپکے لئے جائز ہو سکتا ہے؟

ہاں البتہ ایسے ہو سکتا ہے کہ اگر کمپنی آپ کو بلا تنخواہ چھٹی دینے پر آمادہ ہو تو آپ چھٹی لے سکتی ہیں، ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ، اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے، خود بھی حلال کھائے اور ا بھی اہل و عیال کو بھی حلال کھلائے۔

ایک بیوہ کا تدفین زوج کے لئے وطن کا سفر کرنا

سوال: ایک مسلمان عورت جو فرانس میں مقیم ہے۔ شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے وطن جانا چاہتی ہے، جہاں شوہر کو دفن کرنا مقصود ہے، فراغت کے بعد وہ واپس فرانس آکر اپنی عدت پوری کرنی چاہتی ہے؟

جواب: شرعی طور پر اصل حکم تو یہی ہے کہ جہاں شوہر کی رہائش تھی، وہیں اُسے اپنی عدت پوری کرنی

چاہیے، عدت کی مدت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ﴾ (سورۃ البقرہ:234)

"اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور اپنے پیچھے اپنی بیویاں چھوڑ جاتے ہیں تو وہ چار مہینے اور دس دن کی مدت پوری کریں۔"

اور فریعہ بنت مالک کی حدیث کے مطابق اپنے گھر ہی میں یہ مدت پوری کریں۔ لیکن فقہاء نے کسی شرعی عذر کی بنا پر عدت کے دوران سفر کی اجازت دی ہے، جیسے علاج کی ضرورت ہو یا اگر اس کی کفالت کرنے والا کوئی نہ ہو تو وہ کام کی خاطر گھر سے باہر جا سکتی ہے اور اسی ضمن میں مذکورہ سائلہ کے مسئلہ کو بھی مندرجہ ذیل تفصیل کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے:

الف: عدت کے دوران میت پر سوگ کے آداب کا خیال رکھے کہ جس میں خوشبو لگانا اور زیب وزینت سے بچنا شامل ہے۔

ب: وہاں صرف ضرورت کی حد تک قیام کرے یعنی دفن اور تعزیت کے مراحل ختم ہوتے ہی واپس آکر اپنی عدت پوری کرے۔

یہ اس فقہی قاعدے کے مطابق ہے کہ جس میں کہا گیا ہے کہ شدید حاجت کا بھی ضرورت کی مانند خیال کیا جانا چاہیے۔ اور مذکورہ صورت میں حاجت کا پایا جانا متحقق ہے۔ واللہ اعلم

یورپ میں مقیم شخص کیلئے ریسٹورنٹ سے کھانے کو خریدار تک پہنچانا

سوال: میں ایک مسلمان نوجوان ہوں جو یورپ میں مقیم ہے، میرا کام کھانے کے پیکج کو گھروں تک ڈیلیور کرنا ہے، جس میں یہ باتیں کھٹکتی ہیں:

1۔ نوعیت عمل: ان میں سے کچھ کھانے حلال ہوتے ہیں اور کچھ حرام

2۔ مطلوب کھانے کے بارے میں لاعلمی: جب تک ریسٹورانٹ سے مجھے پیکٹ نہیں ملتا، مجھے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے اندر کھانا حلال ہے یا حرام، اور ایسے وقت میں مذکورہ طلب (آرڈر) کو ٹھکرانا ممکن نہیں ہوتا۔

جب کہ غالب امکان اس چیز کا ہوتا ہے کہ مطلوبہ آرڈر میں سور کا گوشت یا شراب بھی شامل ہے۔

3۔ میں یہ نہیں کہ سکتا کہ میں حالت اضطرار میں ہوں۔ یعنی میں اس کام کے بغیر بھی جی سکتا ہوں مجھے اپنے کھانے پینے کی کوئی مشکل نہیں ہے۔

4۔ چونکہ میں شادی کر کے اپنا گھر بسانا چاہتا ہوں تو اس کام کی شدید ضرورت بھی سمجھتا ہوں تاکہ گھر کے اخراجات پورے کر سکوں۔

5۔ میں اس بات کے لئے تیار ہوں کہ میرے سارے کام میں جتنا حصہ حرام یا مشکوک طعام کے ڈیلیور کرنے کا ہے، اس کے برابر اپنی اجرت میں سے فقراء اور مساکین پر صدقہ کرتا رہوں تاکہ جو کچھ میں کھاؤں، اس میں حرام کی آمیزش نہ ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ اس احتیاط اور حرام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی اس نیت کے ہوتے ہوئے میں اس کام کو جاری رکھ سکتا ہوں یا اس وقت تک یہ کام کرتا رہوں جب تک کہ مجھے مکمل حلال روزی نہ مل جائے؟

جواب: سائل کے سوال سے ہم یہ باتیں اخذ کر سکتے ہیں:

1۔ سائل غیر اسلامی ریسٹورانٹ سے کھانا لیکر خواہشمند حضرات کو پہنچانے کا پابند ہے۔

2۔ بعض دفعہ اسے اچانک حرام نوعیت کا کھانا ڈیلیور کرنے کا آرڈر دیا جاتا ہے، اسے اتنا وقت نہیں دیا جاتا کہ وہ معذرت کر سکے۔

3۔ وہ خود انتہائی کوشش کرتا ہے کہ حرام کھانوں والے آرڈر سے اجتناب کرے۔ اور اگر ایسا کرنا پڑ جائے تو وہ اپنی اجرت میں سے کچھ صدقہ دینے کے لئے بھی آمادہ ہے۔

4۔ وہ ایسے کام کی تلاش جاری رکھ رہا ہے جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔

5۔ اس کے لئے موجودہ کام کو جاری رکھنا اس نے بھی ضروری ہے کہ وہ خود مقروض ہے اور اتنی بچت بھی کرنا جاتے بھی کرنا چاہتا ہے تاکہ اپنا گھر آباد کر سکے۔

ان تمام باتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہم یہ کہیں گے:

1۔ اصل کے اعتبار سے کھانا ایک خواہشمند کو ڈلیور کرنا جائز کام ہے، لیکن اگر کھانا حلال نہ ہو تو اُسے پہنچانا جائز نہیں۔

2۔ سائل کا زیادہ تر کام حلال طعام سے ہی متعلق ہے، کبھی کبھار اس کی مرضی کے علی الرغم اُسے غیر حلال کو بھی ڈیلیور کرنا پڑتا ہے، وہ خود تو اس سے اجتناب کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے لیکن اسے مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (سورۃ التغابن:16)

اور جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔"

3۔ قرض کی ادائیگی اور شادی کے لیے استعداد کی فراہمی شرعی لحاظ سے درست امر ہے اور اس کی خاطر کام میں لگے رہنا مشروع امر ہے۔

4۔ مجبوراً اگر حرام کام کا ارتکاب ہو جائے اور پھر اپنی اجرت میں سے اس کی تلافی کرنے کے لیے صدقہ کرنا ایک قابل توصیف عمل ہے۔

5۔ سائل کو بہر صورت غیر حلال طعام کو ڈلیور کرنے سے بچنا چاہیئے اور خالص حلال کام کی تلاش برابر جاری رکھنا چاہیئے۔



مہمان نوازی کی اہمیت:

دین اسلام میں مہمان نوازی کی بہت بڑی اہمیت ہے، اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے امت مسلمہ کو جامع ترین تعلیمات دی ہیں اور مہمان کو اپنا حق حاصل کرنے کی بھی ترغیب دی ہے، بذات خود نبی ﷺ عظیم میزبان تھے اور آپ کے صحابہ بھی مثالی میزبان تھے، صحابہ کرام کی یہ عادت تھی کہ میزبانی کا شرف حاصل کرنے کے وہ منتظر رہا کرتے تھے اور کسی بھی مہمان کو میزبانی سے محروم نہیں رکھا کرتے تھے۔ مہمان اپنا رزق اور اللہ کی برکت ساتھ لے کر آتا ہے۔ مہمان نوازی سے روزی میں اضافہ ہوتا ہے اور اللہ کی برکت اور اس کی رحمت دامن گیر رہتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا تھا:

اللہ میرے رزق کی برکت نہ چلی جائے
دو روز سے گھر میں کوئی مہماں نہیں آئے

ایک اور شاعر نے عرض کیا:

سمیٹ لے گئے سب رحمتیں کہاں مہمان
مکان کا ٹا پھرتا ہے میز بانوں کو

یوں تو مہمان نوازی انبیاء کا وصف رہا ہے، قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ بیان فرمایا کہ جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس اللہ کے فرشتے خوشخبری کے ساتھ تشریف لائے تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام فوراً ان کی مہمان نوازی کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ﴾

"اور ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس خوش خبری لے کر پہنچے اور سلام کہا انہوں نے بھی سلام کا جواب دیا اور بغیر کسی تاخیر کے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے۔" (سورہ ہود:69)

مہمان نوازی کی تلقین:

رسول اللہ ﷺ نے بار بار اپنی امت کو مہمان نوازی کی تلقین کی، بلکہ مہمان نوازی کو عقیدہ سے منسلک کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: « وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ» "جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔" (صحیح بخاری: 6018؛ صحیح مسلم:173؛ سنن ابوداؤد:3748)

مہمان کے لئے تعلیمات:

یہی نہیں بلکہ مہمان کو اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اپنی مہمان نوازی کا حق وصول کرے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ بیان فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمیں (جہاد یا کسی دوسرے کام کے لئے) بھیجتے ہیں تو (بسا اوقات) ہم کسی قوم میں اترتے ہیں وہ لوگ ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے تو اس سلسلے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا:

«إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوْالَكُمْ بِمَا يَنبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوْاء اللہ فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوْا، فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِى لَهُمْ» "اگر تم کسی قوم میں جاؤ اور وہ لوگ تمہارے لئے ان چیزوں کا انتظام کر دیں جو مہمان کے لئے چاہئے تو اسے تم قبول کرو اور اگر وہ نہ کریں تو ان سے مہمانی کا حق جو ان کے لئے ہے، حسب حال ہو لے لو۔" (سنن ابوداؤد:3752)

اسی طرح حضرت مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَلا لا يَحِلُّ ذُوْنَابِ مِنَ السِّبَاعِ ، وَلا الحِمَارُ الْأَهْلِيّ، وَلَا اللّقَطَةُ مِنْ مَالِ مُعَاهَدٍ إِلّا أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا ، وَأَيْمَارَجُلٍ ضَافَ قَوْماً فَلَمْ يَقْرُوْهُ فَإِنَّ لَهُ أَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ » "سنو! دانت والا درندہ حلال نہیں، اور نہ گھریلو گدھا، اور نہ کافر ذمی کا پڑا ہوا مال حلال ہے، سوائے اس مال کے جس سے وہ مستغنی اور بے نیاز ہو، اور جو شخص کسی قوم کے یہاں مہمان بن کر جائے اور وہ لوگ اس کی مہمان نوازی نہ کریں تو اسے یہ حق ہے کہ اس کے عوض وہ اپنی مہمانی کے بقدر ان سے وصول کرے۔" (سنن ابوداؤد:3804)

میزبان کے لئے تعلیمات :

میزبان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی کہ وہ اپنے مہمان کی خاطر خواہ عزت افزائی کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ نے گفتگو کی، تو میرے دونوں کانوں نے سنا اور میری دونوں آنکھوں نے دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَاليَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتِهِ قَالُوْا: وَمَا جَائِزَتُهُ يَارَسُوْلَ اللهِ ؟ قَالَ : يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ ،

وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، فَمَا كَانَ وَرَاءَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ عَلَيْهِ»

”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کو جو پیش کرتا ہے، اس کو لائق عزت بنائے، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اس کو جو پیش کیا جائے وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کے ایک دن اور ایک رات کا اہتمام، اور مہمان نوازی تین دن ہے، جو اس سے زائد ہے وہ اس پر صدقہ ہے۔“ (صحیح مسلم:4513)

مہمان نوازی کے لئے رسول اللہ ﷺ نے میزبان کو یہ تعلیم دی ہے کہ مہمان نوازی زیادہ سے زیادہ تین دن کی ہے، مہمان کو بھی چاہئے کہ وہ کسی کے پاس تین دن سے زیادہ قیام نہ کرے اس سے میزبان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا یا پھر کسی مسلمان کی استطاعت سے زیادہ بوجھ پڑ جائے گا، وہ قرض دار ہو جائیگا۔

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَجَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَلَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أَنْ يُقِيمَ عِنْدَ أَخِيهِ حَتَّى يُؤْثِمَهُ قَالُوا: يَارَسُوْلَ اللهِ، وَكَيْفَ يُؤْثِمُهُ؟ قَالَ: "يُقِيمُ عِنْدَهُ وَلَاشَىٰ لَهُ يَقْرِيْهِ بِهِ» ”مہمان نواری تین دن ہے اور خصوصی اہتمام ایک دن اور ایک رات کا ہے اور کسی مسلمان آدمی کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے ہاں ٹھہرا رہے، حتی کہ اسے گناہ میں مبتلا کر دے۔ صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ اسے گناہ میں کیسے مبتلا کر دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ اس کے یہاں ٹھہرا رہے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو جس سے وہ اس کی میزبانی کر سکے (تو وہ غلط کام کے ذریعہ سے اس کی میزبانی کا انتظام کرے)۔“ (صحیح مسلم:4514)

مسلمان کا حق:

مسلمان پر حق ہے کہ وہ مہمان کی مہمان نوازی کرے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا، تو وہ آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”عثان! کیا تم نے میرے طریقے سے بے رغبتی کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ایسی بات نہیں، میں تو آپ ہی کی سنت کا طالب رہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِّي أَنَامُ، وَأُصَلِّي وَأَصُوْمُ، وَأُفْطِرُ، وَأَنْكِحُ النِّسَاءَ، فَاتَّقِ اللهَ يَاعُثْمَانُ فَإِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِضَيْفِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَصُمْ وَأَفْطِرْ، وَصَلِّ وَنَمْ» ”میں تو سوتا بھی ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں، اور نہیں بھی رکھتا ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، عثان! تم اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم پر تمہاری بیوی کا حق ہے، تمہارے مہمان کا بھی حق ہے تمہاری جان کا بھی حق ہے، لہٰذا کبھی روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو، اسی طرح نماز پڑھو اور سویا بھی کرو۔“ (سنن ابوداؤد:1369)

رسول اللہ مہمان نوازی کے پابند تھے:

امت مسلمہ کو یہ جاننا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ بڑے مہمان نواز تھے، نبوت سے پہلے قبل از اسلام، دور جاہلیت میں بھی آپ مہمان نواز تھے۔ دور نبوت میں بھی آپ بڑے ہی مہمان نواز تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”آغاز نبوت کے حالات سے جب رسول اللہ ﷺ پریشان ہو گئے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس کا تذکرہ کیا کہ « لَقَدْ خَشِيْتُ عَلَى نَفْسِي » ”اب اپنی جان کا خوف ہو چکا ہے۔“ تو سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا انہیں ان الفاظ میں ڈھارس باندھیں:

"كَلَّا وَاللهِ مَايُخْزِيْكَ اللهُ أَبَداً، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحْمَ وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُوْمَ وَتَقْرَئُ الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلَى نَوَائِبِ الحق."

”آپ کا خیال صحیح نہیں ہے، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو اخلاق فاضلہ کے مالک ہیں، آپ تو کنبہ پرور ہیں، بے کسوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں، مفلسوں کے لئے آپ کماتے ہیں، مہمان نوازی میں بھی آپ بے مثال ہیں اور مشکل وقت میں آپ امر حق کا ساتھ دیتے ہیں، ایسے اوصاف حسنہ والا انسان یوں بے وقت ذلت وخواری کی موت نہیں پا سکتا۔“ (صحیح بخاری:3)

رسول اللہ ﷺ کی میزبانی:

رسول اللہ ﷺ کی مہمان نوازی کا ایک واقعہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

”میں ایک رات نبی کریم ﷺ کا مہمان ہوا تو آپ ﷺ نے بکری کی ران بھوننے کا حکم دیا، وہ بھونی گئی، آپ ﷺ نے چھری لی اور میرے لئے اس میں سے گوشت کاٹنے لگے اتنے میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ کو نماز کی خبر دی تو آپ ﷺ نے چھری رکھ دی اور فرمایا: اسے کیا ہو گیا؟ اس کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں؟ اور اٹھ کر نماز پڑھنے کھڑے ہوئے۔“ (سنن ابوداؤد:118)

اسی طرح آپ کی میزبانی کا ایک واقعہ یوں مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی بھوکا حاضر ہوا، آپ نے انہیں ازواج مطہرات کے یہاں بھیج دیا (تاکہ ان کو کھانا کھلا دیں) ازواج مطہرات نے کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس پانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کی کون مہمانی کرے گا؟ ایک انصاری بولے میں کروں گا۔“ (صحیح بخاری: 3798)

غیر مسلموں کی میزبانی:

رسول اللہ ﷺ نے کفار ومشرکین کی بھی میزبانی کی جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ مشرف باسلام ہوئے، گویا مسلمان کی میزبانی بھی گمراہ لوگوں کے لئے راہ ہدایت بن جاتی ہے۔

حدیث میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مہمان رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، وہ شخص کافر تھا، آپ ﷺ نے اس کے لئے ایک بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا، اس نے دودھ پی لیا، پھر ایک اور (بکری کا دودھ دوہنے) کا حکم دیا، اس نے وہ بھی نوش فرما لیا،

حتی کہ اس نے اسی طرح سات بکریوں کا دودھ پی لیا، پھر اس نے صبح کی تو اسلام لے آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے ایک بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا اس نے وہ بھی پی لیا، پھر دوسری بکری کا دودھ دوہنے کا حکم دیا، وہ اس کا سارا دودھ پی نہ سکا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان ایک آنت میں پیتا ہے، جبکہ کافر سات آنتوں میں پیتا ہے۔" (صحیح مسلم:5379)

صحابہ کرام کو میزبانی کی تعلیمات :

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ آنے والوں کی مہمان نوازی کا شرف حاصل کریں اس حکم کے بعد ہر صحابی میزبانی کا شرف حاصل کرنے کا منتظر رہتا تھا، اس ضمن میں کئی واقعات ہیں یہاں دو ایک واقعات نصیحت کے لئے ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک آدمی کے پاس ایک مہمان نے رات گزاری، ان کے پاس صرف اپنا اور بچوں کا کھانا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا، بچوں کو سلا دو، اور چراغ بجھا دو اور جو کھانا تمہارے پاس ہے وہ مہمان کے قریب کر دو تب یہ آیت :﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ "وہ دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں چاہے انہیں سخت احتیاج لاحق ہو۔" (صحیح مسلم:5360)

اسی طرح کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ اصحاب صفہ نادار و مسکین لوگ تھے اور نبی ﷺ نے فرمایا:

جس کے گھر میں دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے (اصحاب صفہ میں سے کسی) کو ساتھ لیتا جائے اور جس کے ہاں چار آدمیوں کا کھانا ہے تو وہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو سائبان والوں میں سے اپنے ساتھ لے جائے۔ (یہ سن کر) ابو بکر اپنے ساتھ تین آدمیوں کو لے آئے اور رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ دس آدمیوں کو لے گئے۔" سیدنا عبد الرحمن بن ابی بکر بیان فرماتے ہیں کہ "گھر کے افراد میں اس وقت والد ،ماں اور میں تھا۔ ابو عثمان راوی کا بیان ہے کہ مجھے یاد نہیں کہ عبد الرحمن بن ابو بکر نے یہ کہا یا نہیں کہ میری بیوی اور خادم جو میرے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں کے گھر کے لئے تھا، یہ بھی تھے۔ خیر ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے یہاں ٹھہر گئے اور غالباً کھانا بھی وہیں کھایا۔ صورت یہ ہوئی کہ نماز عشاء تک وہیں رہے، پھر مسجد سے نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارکہ میں آئے اور وہیں ٹھہرے رہے تا آنکہ نبی ﷺ نے بھی کھانا کھالیا اور رات کا ایک حصہ گزر جانے کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ گھر تشریف لائے تو ان کی بیوی (ام رومان) نے کہا کہ کیا بات پیش آئی کہ مہمانوں کی خبر بھی آپ نے لی ؟ آپ نے پوچھا: کیا تم نے ابھی انہیں رات کا کھانا نہیں کھلایا ؟ ام رومان نے کہا: میں کیا کروں؟! آپ کے آنے تک انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا، کھانے کے لئے ان سے کہا گیا تھا لیکن وہ نہ مانے۔

عبد الرحمن بن ابی بکر کہتے ہیں کہ میں ڈر کر چھپ گیا، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پکارا: "اے غنثر (او پاجی) آپ نے انہیں برا بھلا کہا: اور کوسنے لگے فرمایا: کھاؤ تمہارے لئے تمہیں مبارک نہ ہو! اللہ کی قسم! میں اس کھانے کو کبھی نہیں کھاؤں گا۔ (آخر مہمانوں کو کھانا کھلایا گیا عبد الرحمن بن ابی بکر کہتے ہیں) اللہ گواہ ہے کہ ہم ادھر ایک لقمہ لیتے تھے اور نیچے سے پہلے سے بھی زیادہ کھانا ہو جاتا تھا، بیان کیا کہ سب لوگ شکم سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے بھی زیادہ بچ گیا۔ ابو بکر صدیق نے دیکھا تو کھانا پہلے سے بھی زیادہ تھا۔ اپنی بیوی سے بولے: بنو فاس کی بہن! یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک کی قسم! یہ تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔ پھر ابو بکر صدیق نے بھی وہ کھانا کھایا اور کہا کہ میرا قسم کھانا ایک شیطانی وسوسہ تھا پھر ایک لقمہ اس میں سے کھایا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بقیہ کھانا لے گئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ صبح تک آپ کے پاس رکھا رہا۔ عبد الرحمن نے کہا: ہم مسلمانوں کا ایک دوسرے قبیلے سے معاہدہ تھا، اور معاہدے کی مدت پوری ہو چکی تھی، اس قبیلے کا وفد معاہدہ سے متعلق بات چیت کرنے مدینہ آیا ہوا تھا) ہم نے ان میں سے بارہ آدمی جدا کئے اور ہر ایک کے ساتھ کتنے آدمی تھے، اللہ ہی کو معلوم ہے ان سب نے اس میں سے کھایا۔ عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے کچھ ایسا ہی کہا۔ (صحیح بخاری : 602؛ سنن ابوداؤد:3270)

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی :

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے مہمان نواز تھے اور ان کی مہمان نوازی کا اقرار کفار و مشرکین کو بھی تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین اسلام کا پیرو پایا، کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا، جب رسول اللہ ﷺ ہمارے یہاں صبح وشام دونوں وقت تشریف نہ لاتے ہوں، پھر جب مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیف ہونے لگی تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا، جب آپ برک غماد پہنچے تو وہاں آپ کی ملاقات قارہ کے سردار مالک ابن الدغنہ سے ہوئی۔ اس نے پوچھا: "ابو بکر کہاں کا ارادہ ہے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ "أَخْرِجْنِي قَوْمِي، فَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَسِيحَ فِي الْأَرْضِ فَأَعْبُدَ رَبِّي." "میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے اور اب تو یہی ارادہ ہے کہ اللہ کی زمین میں سیر کروں اور اپنے رب کی عبادت کرتا رہوں۔" اس پر مالک بن الدغنہ نے کہا کہ

"إِنّ مِثْلَكَ لا يَخْرُجُ وَلَا يُخْرَجُ ، فَإِنَّكَ تَكْسِبُ المَعْدُوْمَ ، وَتَصِلُ الرّحْمَ وَتَحْمِلُ الكَلّ ، وَتَقْرِئُ الضَيْفَ ، وَتُعِيْنُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِ ، وَأَنَا لَكَ جَارٌ فَارْجِعْ فَاعْبُدْ رَبَكَ بِلادِكَ ." "آپ جیسا انسان (اپنے وطن سے) نہیں نکل سکتا، اور نہ اسے نکالا جاسکتا ہے کیونکہ آپ تو محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، مجبوروں کا بوجھ اپنے سر لیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور حادثوں میں حق بات کی مدد کرتے ہیں، آپ کو میں امان دیتا ہوں۔" آپ چلئے اور اپنے ہی شہر میں اپنے رب کی عبادت کیجئے۔"

چنانچہ ابن الدغنہ اپنے ساتھ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی لے آیا اور مکہ پہنچ کر کفار قریش کے تمام اشراف کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ

"إن أبا بكر لا يَخْرُجُ مِثْلُهُ وَلَا يُخْرَجُ ، أَتخْرُجُوْنَ رَجُلاً يَكْسِبُ المَعْدُوْمَ ، وَيَصِلُ الرّحْمَ وَيَحْمِلُ الكَلّ ، وَيَقْرِئُ الضَيْفَ ، وَيُعِيْنُ عَلَى نَوَائِبِ الحق."

"ابو بکر جیسا نیک آدمی اپنے وطن سے نہیں نکل سکتا اور نہ اسے نکالا جاسکتا ہے، کیا تم ایسے شخص کو بھی نکال دو گے جو محتاجوں کے لئے کماتا ہے اور جو صلہ رحمی کرتا ہے اور جو مجبوروں اور کمزوروں کا بوجھ اپنے سر پر لیتا ہے اور جو مہمان نوازی کرتا ہے، اور جو حادثوں میں حق بات کی مدد کرتا ہے۔" (صحیح بخاری: 2297)

رسول اللہ ﷺ کی میزبانی کا شرف:

بہت سے صحابہ ایسے ہیں کہ جنہیں رسول اللہ ﷺ کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ رات یا دن کو باہر نکلے اور آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا تو پوچھا کہ وہ تمہیں اس وقت کونسی چیز گھر سے نکال لائی ہے انہوں نے کہا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! بھوک کے مارے (ہم بھی نکل گئے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں بھی اسی وجہ سے نکلا ہوں، چلو کسی کے مہمان بنیں۔ پھر وہ آپ ﷺ کے ساتھ چلے، آپ ﷺ ایک انصاری کے دروازے پر آئے لیکن وہ اپنے گھر میں نہیں تھے، ان انصاری صحابی کی بیوی نے آپ ﷺ کو دیکھا تو اس نے خوش آمدید کہا (استقبال کیا)، آپ ﷺ نے اس کے خاوند کے متعلق پوچھا: وہ کہاں گئے ہیں؟

وہ کہنے لگیں کہ "ہمارے لئے میٹھا پانی لینے کے لئے گئے ہیں، اتنے میں وہ انصاری (میزبان) آگئے، جب اس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں (ابو بکر و عمر) کو دیکھا تو کہا:

"اللہ کا شکر ہے کہ آج کے دن کسی کے پاس ایسے مہمان نہیں ہیں، جیسے میرے پاس ہیں۔"

پھر وہ (انصاری) گئے اور کھجور کا ایک خوشہ لے کر آئے جس میں گدرے، سوکھے اور تازہ کھجوریں تھیں اور کہنے لگے اس میں سے نوش فرمائیں، پھر ایک چھری لی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"دودھ والی بکری مت ذبح کرنا۔" انہوں نے ایک بکری ذبح کی اور سب نے اس کا گوشت کھایا اور کھجوریں بھی نوش فرمایا اور پانی پیا، جب کھانے پینے سے سیر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

«لَتُسْأَلُنَّ عَنْ هٰذَا النَّعِيمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمُ الْجُوعُ ثُمَّ لَمْ تَرْجِعُوْا حَتّٰى أَصَابَكُمْ هٰذَا النَّعِيمُ »

"قیامت کے دن تم سے اس نعمت کے بارے میں سوال ہو گا کہ تم اپنے گھروں سے بھوک کے مارے نکلے اور نہیں لوٹے یہاں تک کہ تمہیں یہ نعمتیں ملیں۔" (صحیح مسلم:5313)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ میرے والد کے ہاں مہمان ہوئے، ہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کھجور، پنیر اور گھی سے تیار کیا ہوا حلوہ پیش کیا، آپ نے اس میں سے تناول فرمایا، پھر آپ کے سامنے کھجوریں پیش کی گئیں تو آپ کھجوریں کھا رہے تھے اور گٹھلیاں اپنی دو انگلیوں کے درمیان ڈالے جا رہے تھے، آپ ﷺ نے شہادت کی اور درمیانی انگلی اکٹھی کی ہوئی تھیں۔ پھر آپ ﷺ کے سامنے مشروب پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے اسے پیا، پھر اپنے دائیں جانب والے کو دے دیا، (عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے) کہا: جب میرے والد نے رسول اللہ ﷺ کی سواری کی لگام پکڑی ہوئی تھی تو عرض کیا: "ہمارے لئے اللہ سے دعا فرمایئے، تو رسول اللہ ﷺ نے (دعا کرتے ہوئے فرمایا:

«اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ »"اے اللہ! تو نے انہیں جو رزق دیا ہے، اس میں ان کے لئے برکت ڈال دے اور ان کے گناہ بخش دے اور ان پر رحم فرما۔" (صحیح مسلم5328)

اس طرح کا ایک اور واقعہ مذکور ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اللہ نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ "نبی کریم ﷺ ان کے ہاں مہمان ٹھہرے تو آپ ﷺ نیچے کے مکان میں رہے اور حضرت ابو ایوب انصاری اوپر کے درجے میں تھے، ایک دفعہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ رات کو جاگے اور کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے سر کے اوپر چلا کرتے ہیں، پھر ہٹ کر رات کو ایک کونے میں ہو گئے، پھر اس کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اوپر جانے کے لئے کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "نیچے کا مکان آرام کا ہے۔"

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "میں اس چھت پر نہیں رہ سکتا، جس کے نیچے آپ ﷺ ہوں۔" یہ سن کر آپ ﷺ اوپر کے درجے میں تشریف لے گئے اور ابو ایوب رضی اللہ عنہ نیچے کے درجے میں آگئے۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے لئے کھانا تیار کرتے تھے، پھر آپ ﷺ کے پاس سے کھانا آتا تو حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ پوچھتے کہ آپ ﷺ کی انگلیاں کھانے کی کس جگہ پر لگی ہیں اور وہ وہیں سے کھاتے۔ ایک دن حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے کھانا پکایا، جس میں لہسن تھا، جب کھانا واپس گیا تو حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ ﷺ کی انگلیاں کہاں لگی تھیں؟ انہیں بتایا گیا کہ آپ ﷺ نے کھانا نہیں کھایا! یہ سن کر ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ گھبرا گئے اور اوپر گئے اور پوچھا کہ کیا لہسن حرام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے کہا: جو چیز آپ کے لئے ناپسند ہے، مجھے بھی ناپسند ہے، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس فرشتے آتے جاتے تھے۔ (صحیح مسلم 5358)

ان تمام روایات اور واقعات کو ذکر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ مسلمان مہمان نوازی کو ترجیح دیں، یہ ملت کے فضائل میں سے ہے یہ نہ سمجھیں کہ مہمان آئے گا تو تنگدستی ہو جائیگی، رزق میں مشکل ہو جائیگی، دراصل شیطان اہل ایمان کو فاقہ کشی اور تنگدستی کا خوف دلاتا ہے، آہستہ آہستہ ملت میں میزبانی سے بیزارگی پائی جانے لگی ہے اور وہ مہمانوں سے کترانے لگے ہیں، میں میرے بچے بس اچھے رہیں یہی نظریہ عام ہو رہا ہے اسی لئے انسان تونگری و بے نیازی کے باوجود بھی ناخوش نظر آرہا ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



الجامع الکامل پروجیکٹ کی معنویت وافادیت

حافظ عبدالحسیب عمری مدنی

الجامع الکامل میں صحیح احادیث جمع کرنے کے علاوہ جن باتوں کا خیال رکھا گیا ہے وہ یہ ہیں :

1۔ ڈاکٹر صاحب نے جن احادیث کو صحیح قرار دیا ہے ان کی مفصل تخریج کی ہے اور بتلایا ہے کہ وہ کس طرح صحیح (مقبول) قرار پاتی ہیں۔

2۔ الجامع الکامل کے سلسلے میں ایک بات ڈاکٹر صاحب کی زبانی میں نے یہ بھی سنی ہے کہ اس کی ترتیب میں ڈاکٹر صاحب نے صحیح بخاری کی ترتیب اور تبویب کو بنیاد بنایا ہے، اور پھر اس پر مزید اپنی صوابدید کے مطابق اضافہ کیا ہے۔

3۔ الجامع الکامل میں ڈاکٹر صاحب نے ایک کام یہ بھی کیا ہے کہ اکثر احادیث اور قرآن میں باہم ربط پیدا کیا ہے۔یعنی حدیث کا کسی آیت سے ربط ہو تو اس آیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے باہمی ربط کو بیان کیا ہے۔

4۔ حدیث میں وارد بعض جملوں کی وضاحت اور بعض جگہ ان سے مستنبط فقہی فوائد پر بھی روشنی ڈالی ہے۔فقہاء کی طرف اقوال کی نسبت بھی کی ہے۔

5۔ اگر صحیح احادیث میں باہم تعارض ہو تو اس کا ازالہ بھی کیا ہے۔

6۔ باب سے متعلق مشہور ضعیف احادیث کی نشان دہی کی ہے اور مفصل تخریج کی روشنی میں ان کی علت اور کمزوری کو واضح کیا ہے۔

7۔ مقدمہ کتاب: کتاب میں ایک اہم اضافہ تقریبا دو سو صفحات پر مشتمل اس کا وقیع مقدمہ ہے، جو تاریخ تدوین حدیث، مشہور صحیح کتبِ حدیث کے تعارف کے ساتھ تخریج حدیث اور فن حدیث کی مختلف فروعات سے متعلق تقریبا 75 مختلف دقیق فوائد اور مباحث کے اہم خلاصے پر مشتمل ہے۔ اس میں روایتی معلومات سے زیادہ شیخ کے اختیارات اور ترجیحات اور اس کے دلائل ہیں۔ علم حدیث سے دلچسپی رکھنے والے کو اس مقدمہ کا موازناتی مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، اور ساتھ ہی اس عظیم پروجیکٹ کا عملی خاکہ بعنوان (منهج جمع الأحاديث في الجامع الكامل) بھی بیان کیا ہے، جس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ صحیح احادیث کو جمع کرنے کا ایسا کوئی مفصل منہج اور خاکہ آپ سے پہلے کسی نے نہیں پیش کیا ہے۔شرط البخاری اور شرط مسلم کی طرح شروط الا عظمی کو اگر جاننا ہو تو خود کے اجتہاد کی بجائے الجامع الکامل کے مقدمہ کی طرف رجوع کر لیا جائے۔

مزید یہ بھی کہ ڈاکٹر صاحب نے مقدمہ میں فن حدیث کی تمام مشہور و متداول کتابوں کی روایت سے متعلق اپنی مختلف اسانید کا بھی تذکرہ کیا ہے، جس کی وجہ سے 'الجامع الکامل' بھی 'مسند' ہوگئی ہے۔یعنی یہ حیثیت اختیار کر گئی کہ اس کتاب کی ہر حدیث ڈاکٹر صاحب گویا خود اپنی سند سے نبی ﷺ تک بیان کر رہے ہیں۔

اس مقدمہ میں ڈاکٹر صاحب نے ایک اور اہم مشروع کا تذکرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ راویان حدیث پر درست حکم لگانا بسا اوقات بہت مشکل کام ہوتا ہے، جس کا تجربہ خود انہیں الجامع الکامل پر کام کرتے ہوئے کئی بار ہوا۔ڈاکٹر صاحب کا اندازہ ہے کہ پانچویں صدی تک کے رواۃ کی تعداد تقریبا پچاس ہزار ہوگی، جن کے شخصی تعارف اور علمی درجہ بندی پر مشتمل اہم کتابیں تقریبا ساڑھے تین سو ہیں۔ احادیث کی طرح راوی سے متعلق معلومات بھی ان کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں۔ بسا اوقات ان تمام معلومات کو اکٹھا کیے بغیر راوی کی درجہ بندی یا اس پر صحیح اور مناسب حکم لگانے میں غلطی ہو جاتی ہے۔اس مشکل کا حل تلاش کرنے کے لیے اور جس طرح 'الجامع الكامل في الحديث الصحيح الشامل' میں تمام صحیح احادیث کو یکجا کیا ہے، بالکل اسی طرح ایک ایک راوی سے متعلق تمام معلومات یکجا کرنے کے لیے ایک عظیم پروجیکٹ کا خاکہ ڈاکٹر صاحب نے ترتیب دیا تھا جس کا نام 'مشروع الجامع الكامل لرواة الحديث لصيانة الحديث' تجویز فرمایا تھا۔ڈاکٹر صاحب کے اس خاکے کے مطابق امام مزی رحمہ اللہ کی تہذیب الکمال کو بنیاد بنا کر اس پر کام کیا جا سکتا ہے، جس میں تقریبا پانچ سال کی مدت لگ سکتی ہے، اور یہ کام مکمل ہو کر تقریبا سو سے زائد جلدوں میں سامنے آسکتا ہے۔ نیز یہ خواہش بھی ظاہر کی ہے کہ اگر کوئی ادارہ اس پروجیکٹ پر کام کروانے کے لیے آمادہ ہو تو ڈاکٹر صاحب خود اس کی نگرانی کے لیے تیار ہیں۔ یہ وہ معلومات ہیں جو مقدمہ میں ڈاکٹر صاحب نے بیان کی ہیں۔ میری آخری ملاقات، جو دسمبر 2019ء کے پہلے ہفتہ میں ہوئی تھی، ڈاکٹر صاحب نے بتلایا کہ اس پروجیکٹ پر بھی کام شروع ہو چکا ہے اور کافی حد تک کام ہو چکا ہے۔یسر اللہ الإتمام لهذا العمل الجبار۔اگر یہ پروجیکٹ بھی انجام کو پہنچ جائے تو 'الجامع الکامل' کی طرح یہ بھی ایک غیر معمولی کارنامہ ہوگا۔

الجامع الکامل کے بارے میں اگر یہ پوچھا جائے کہ

اس عظیم پروجیکٹ کے ان فنی وعلمی جوانب سے ہٹ کر اس سے عام امت کا کیا فائدہ ہوا؟ کیا یہ صرف صحیح احادیث پر مشتمل ایک جامع کتاب ہے؟ یا اس کے پیچھے دیگر مقاصد بھی تھے؟؟

اس سوال کے جواب میں اس کی افادیت اور مقصد کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے اس پروجیکٹ کے سات فوائد یا اہداف و مقاصد بیان کیے ہیں:

1۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ تمام صحیح احادیث ایک کتاب میں اکٹھا مل جائیں، تاکہ لوگ ضعیف و موضوع سے پرہیز کرتے ہوئے صرف صحیح احادیث کو اپنائیں۔ خاص طور پر وہ مؤلفین اور باحثین جو فن حدیث سے واقف نہیں ہوتے اور ضعیف و موضوع احادیث پر بھی اعتماد کر لیتے ہیں ان کے سامنے صرف صحیح احادیث کو منتخب کرنے کا ایک آسان راستہ رہے۔

2۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ مسلم معاشرے میں بعض لوگ جانتے بوجھتے بھی ضعیف و موضوع روایات کو عام کرتے ہیں۔ الجامع الکامل جیسی کتاب کے وجود سے شاید ان لوگوں کو ایسی غلطی کرنے سے رکنے اور روکنے میں کامیابی حاصل ہو۔

3۔ منکرین حدیث جو خود کو اہل قرآن کہتے ہیں ، حدیث کی حجیت پر اس لیے بھی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ یکجا نہیں ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ اگر وہ حجت ہوتی تو قرآن کی طرح وہ بھی ایک جگہ اکٹھا مل جاتی۔ ان کا یہ دعوی اگرچہ بے وزن ہے، کیونکہ احادیث بہت پہلے سے کتابوں میں اکٹھا ہیں، تاہم ’الجامع الکامل‘ جیسی تمام صحیح احادیث پر مشتمل ایک جامع کتاب کے ذریعے ان پر حجت قائم کی جاسکتی ہے۔

4۔ الجامع الکامل جیسی جامع کتاب کے وجود سے ضعیف اور موضوع روایات کے ذریعے دین میں جس قسم کی نئی نئی بدعات کا اضافہ کیا جاتا ہے، ان کا سد باب کیا جاسکے گا۔ کیونکہ اہل سنت کے عقیدے کا دارومدار صحیح سند پر ہوتا ہے، جب کہ اہل بدعت کے عقائد سرے سے بے سند ہوتے ہیں۔

5۔ یہ کتاب حدیث کی فقہ اور صحیح سمجھ کے سلسلے میں بھی معاون ہو سکتی ہے، کیونکہ صحیح روایت کے تمام الفاظ بھی یکجا ملتے ہیں۔ کئی بار ایسا دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ حدیث کے تمام الفاظ کا احاطہ نہ کر پانے کی وجہ سے حدیث کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں غلطی کر بیٹھتے ہیں۔

6۔ یہ کتاب اتحاد امت کے سلسلے میں بنیادی کردار ادا کر سکتی ہے، کیونکہ کافی طویل عرصے تک غور وخوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ خصوصاً اہل علم کے درمیان اور عموما عام مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی ایک بڑی وجہ احادیث کی ایسی کسی جامع کتاب کا عدم وجود ہے جس کی طرف اختلاف کی صورت میں رجوع کیا جاسکے۔

7۔ یہ کتاب ان بہت سارے لوگوں کا سہارا بن سکے گی جو عمل بالحدیث کے باب میں صرف صحیح و مقبول روایتوں کو اپنانے کے خواہش مند ہوتے ہیں، کیونکہ مسئلہ چاہے حلال و حرام کا ہو کہ ترغیب و ترہیب کا صحیح احادیث ضعیف احادیث سے ہمیں بے نیاز کر دیتی ہیں۔ یہاں پہنچ کر سب سے اہم سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا الجامع الکامل واقعتاً کامل ہے ؟ تمام صحیح احادیث اس کتاب میں اکٹھا ہوگئی ہیں؟؟

اس کے جواب میں سب سے پہلے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ ’الکمال للہ وحدہ‘ انسانی کوشش چاہے جس قدر قابلیت، محنت اور لگن سے کی جائے اس میں نقص کا در آنا ایک فطری امر ہے۔ تاہم انسانی استطاعت میں جو کچھ ہو سکتا ہے اس کے مطابق ڈاکٹر ضیاء الرحمن صاحب نے اسی مقصد سے کتاب لکھی ہے اور یہی ان کا دعوی ہے کہ تمام صحیح احادیث اکٹھا کر دی گئی ہیں۔ اسی لیے اپنی کتاب کا نام ’ الجامع الکامل في الحديث الصحيح الشامل‘ رکھا ہے جس میں لفظ ’الشامل‘ بھی اسی الجامع کی صفت ہے جو تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ گویا حقیقی نام یوں ہے: ’ الجامع الكامل الشامل في الحديث الصحيح‘۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ نے ’ الجامع الکامل‘ کی روایت کرنے والوں کے لیے جو سند تیار کی ہے اس میں خصوصی طور پر الشامل پر ضمہ لگایا ہے، تا کہ اس لفظ کو الجامع کی صفت کے طور پر ہی پڑھا جائے اور ساتھ ہی الجامع الکامل کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

"الجامع الكامل هو شامل لجميع الأحاديث الصحيح سواء كانت في الصحيحين أو في السنن الأربعة أو في غيرها من الكتب المسندة المؤلفة إلى القرن السابع الهجري."

یعنی الجامع الکامل ساتویں صدی ہجری تک لکھی گئی تمام مسند کتابوں میں موجود تمام صحیح احادیث کا مجموعہ ہے۔

اس سلسلے میں شیخ سے میں نے بارہا پوچھا کہ کیا آپ کا یہ دعوی ہے کہ تمام احادیث آپ نے اکٹھا کرلی ہیں؟ تو شیخ نے جواب میں یہ فرمایا:

”ہاں ہم نے کوشش تو یہی کی ہے اور ہمارے علم کی حد تک ہم نے مکمل کیا ہے۔ البتہ ہماری یہ کوشش ایک انسانی کوشش ہے۔ ہم نے پہل کردی ہے۔ ہمارے بعد آنے والوں کا کام ہے کہ ہماری اس کوشش کا جائزہ لیں، اور اس میں اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس کو پورا کریں۔ میرا اندازہ ہے کہ آئندہ بھی اگر کوئی اضافہ ممکن ہے تو زیادہ زیادہ پانچ فی صد ہو سکتا ہے۔ یعنی میں اپنے دعوے پر پچانوے فی صد پورا اتروں گا۔ ان شاءاللہ“

تلخیص الجامع الکامل

ڈاکٹر ضیاء الرحمن صاحب نے الجامع الکامل کے پروجیکٹ سے فراغت کے بعد مزید اس پر کام جاری رکھا، تاکہ یہ عظیم محنت اور اس کا فائدہ صرف خواص تک محدود نہ رہ جائے بلکہ عوام الناس بھی اس سے

بھرپور مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ آپ نے اس عظیم پروجیکٹ کا اختصار بھی تیار کیا، جس کا نام 'تلخیص الجامع الکامل' رکھا۔ اس میں الجامع الکامل کی تمام احادیث موجود ہیں۔ تلخیص کے نام پر دراصل تخریج سے متعلق وہ فنی باتیں حذف کر دی گئی ہیں جو عوام الناس کے مطلب کی نہیں ہیں۔ صرف متون کا اعتبار کریں تو یہ تلخیص بھی دراصل مکمل الجامع الکامل ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمن صاحب نے اس تلخیص کے اہداف ومقاصد اور اس میں اور الجامع الکامل میں فرق بتلاتے ہوئے لکھا ہے:

1۔ پہلا مقصد تو یہ ہے کہ حدیث رسول کو حفظ کرنے کے خواہش مندوں کی مدد ہو سکے۔

2۔ الجامع الکامل بہت سارے ایسے دقیق مباحث پر مشتمل تھی جن سے صرف فن حدیث کے ماہرین اور علماء ہی مستفید ہو سکتے تھے۔ تلخیص کے ذریعے عامۃ المسلمین کے لیے اس سے مستفید ہونا مزید آسان ہو جائے گا۔

3۔ اس عظیم پروجیکٹ کی شہرت کے ساتھ ہی غیر عربی دان طبقے کی طرف سے بہ اصرار مطالبہ ہونے لگا کہ اس کا مختلف بین الاقوامی زبانوں میں ترجمہ کر دیا جائے، تاکہ حدیث رسول بھی تمام زبانوں میں میسر ہو۔ چونکہ الجامع الکامل کے بہت سارے مباحث جیسے مفصل تخریج عمل حدیث پر گفتگو اور باہم متعارض احادیث میں تطبیق کا اہتمام وغیرہ ایسے مسائل تھے جن کا ترجمہ دیگر زبانوں میں انتہائی مشکل تھا، اور ساتھ ہی وہ ایک عام قاری کے لیے زیادہ ضروری بھی نہیں تھے۔ اس لیے مناسب سمجھا کہ پہلے الجامع الکامل کی تلخیص ہو جائے اور پھر اس تلخیص کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کیا جائے۔

4۔ اس تلخیص میں وہ تمام ضعیف احادیث بھی حذف کر دی گئی ہیں جو الجامع الکامل میں تنبیہ کے لیے ذکر کی گئی ہیں اور ساتھ ہی اس بات کا اہتمام بھی کیا گیا ہے کہ تلخیص میں مذکورہ احادیث کا نمبر الجامع الکامل کے نمبر کے موافق ہو، تاکہ کسی حدیث کی مفصل تخریج و دیگر فوائد دیکھنے کا خواہش مند آسانی سے الجامع الکامل میں اس حدیث تک پہنچ جائے۔ تلخیص الجامع الکامل عربی میں تیار ہو گئی مگر چھپی نہیں ہے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب کی خواہش تھی کہ دیگر زبانوں میں اس کے ترجمہ کے ساتھ یا اس کے بعد ہی اس کی عربی میں بھی اشاعت ہو۔ الحمد اللہ اردو میں تلخیص الجامع الکامل کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ ترجمہ مراجعہ اور تصحیح کے مرحلے میں ہے۔ (رب ذوالجلال کا فضل وکرم ہے کہ یہ سعادت مجھ ناچیز کو حاصل ہوئی کہ یہ کام متعدد اہل علم کے تعاون سے میرے ہی اشراف اور نگرانی میں پایہ تکمیل کو پہنچ رہا ہے البتہ انگریزی ترجمہ پر برطانیہ میں کام جاری ہے، جس کے بعد دیگر زبانوں میں بھی اس کی اشاعت متوقع ہے۔

ایک خواب جو تعبیر کا منتظر

قارئین کو یاد ہوگا کہ الجامع الکامل کی ابتدا اس خیال سے ہوئی تھی کہ قرآن مجید کی طرح تمام صحیح احادیث کو بھی ایک جلد میں پیش کر دیا جائے تاکہ ہم قرآن وسنت کہیں تو دو جلدیں مخاطب کے حوالے کر دیں۔ قرآن تواتر کے ساتھ امت کے اندر سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا آیا ہے اور ساتھ ہی مصاحف میں بھی لکھا جاتا یا طبع کیا جاتا رہا ہے، تاہم احادیث کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی اسانید ہیں۔ لہٰذا اسے ایک جلد میں پیش کرنے سے پہلے بڑی محنت کرنی تھی۔ اللہ کی توفیق سے ڈاکٹر صاحب نے پہلے الجامع الکامل کے مرحلے کو طے کیا۔ پھر تلخیص کے مرحلہ کو۔ اب ان کی نظر اسی بنیادی سوچ پر تھی کہ حدیث رسول کو بھی ایک جلد میں پیش کیا جا سکے۔ چنانچہ اس کے لیے ڈاکٹر صاحب نے ایک خاکہ یہ بنایا کہ صرف مرفوع احادیث میں سے تمام قولی احادیث پھر فعلی اور تقریری احادیث میں سے ہر وہ حدیث جس میں نبی ﷺ کی زبان مبارک سے کوئی بھی ٹکڑا ارشاد ہوا ہو ان کو الگ کر لیا جائے، اور ان تمام کو ایک جلد میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ درج کر دیا جائے۔ اس طرح کہ اگر قرآن کلام اللہ مصحف میں محفوظ ہے تو تمام صحیح احادیث کلام رسول اللہ ایک جلد میں مدون و محفوظ نظر آئیں۔ اور جب کبھی کوئی پھر سے وہی سوال کرے کہ قرآن تو ایک جلد میں ہمارے سامنے ہے اس طرح احادیث رسول بھی یکجا کہاں ملیں گی؟ تو کسی استاذ کو یہ جواب نہ دینا پڑے کہ اس کے لیے آپ کو لائبریری میں کتب احادیث کے ذخیرہ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ منکرین حدیث کا اس سے بہتر جواب نہیں ہو سکتا کہ ان کے سامنے اس طرح ایک جلد میں تمام حدیثیں پیش کر دی جائیں اور امام شافعی رحمہ اللہ نے جو فرمایا تھا:

"لا تعلم رجلا جمع السنن فلم يذهب منها عليه شيء فإذا جمع علم عامة أهل العلم بها أتى على السنن وإذا فرق علم كل واحد منهم ذهب عليه الشيئ منها ثم كان ماذهب عليه منها موجودا. عند غيره."

ہمیں نہیں معلوم کہ ایسا بھی کوئی شخص ہے جو تمام احادیث کا جانکار ہو، اس طرح کہ اس سے کوئی حدیث نہ چھوٹے۔ اگر کوئی تمام محدثین کے علم کو اکٹھا کر پائے تو یقیناً تمام احادیث کو جان لے گا اور اگر ہر شخص کے علم کو اس کے پاس ہی رہنے دے تو کچھ نہ کچھ ہر شخص کے پاس کمی رہے گی۔ البتہ جو حدیث ایک کے پاس نہ ہو وہ دوسرے کے پاس ضرور محفوظ ہوگی۔ (الرسالۃ: ۱:۳۴)۔ اس کے مطابق ان تمام محفوظ صحیح احادیث کو عملاً ایک جلد میں سب کے

سامنے پیش کر دیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کا اندازہ تھا کہ جس طرح قرآن کی آیات چھ ہزار سے کچھ زائد ہیں، بالکل اسی طرح ایسی احادیث بھی قریب قریب چھ ہزار سے کچھ زائد ہوں گی۔ (تلخیص کے مقدمہ میں ڈاکٹر صاحب نے یہ تعداد پانچ سے چھ ہزار تک بتلائی ہے، جب کہ شخصی ملاقات میں مجھ سے آپ نے جتلایا تھا کہ چھ ہزار سے اوپر قریب قریب قرآن کی آیات کے مساوی عدد ہوگا)

ڈاکٹر صاحب نے اس پروجیکٹ پر بھی کام شروع کیا تھا، بلکہ آخری عمر میں ڈاکٹر صاحب کے معاون رہے برادر عزیز کامران قاضی کے بقول پورا خطہ اور خاکہ تیار تھا، اور اس پر کام بھی جاری تھا، مگر عمر نے وفا نہ کی۔ اللہ نے چاہا تو ڈاکٹر صاحب کے طے کردہ خاکے پر ہی کام کر کے اس پروجیکٹ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ ایسی مثالیں تاریخ میں ہیں کہ استاذ کے شروع کیے گئے کام کو شاگردوں نے مکمل کیا ہے۔ جیسے شروحات حدیث میں سے ایک طرح التثریب شرح التقریب " ہے۔ جس کی ابتدا زین الدین ابوالفضل عبد الرحیم عراقی رحمہ اللہ (725ھ) نے کی مگر اسے کھل کرنے سے پہلے انتقال فرماگئے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند ولی الدین ابوزرعہ العراقی (826ھ) نے اس کی تکمیل کی۔ یا مدارس کے نصاب میں پڑھائی جانے والی معروف تفسیر جلالین ہے۔

یہ پروجیکٹ تکمیل کے بعد کیسا ہو سکتا ہے اس کا اندازہ ہم اور آپ شیخ البانی رحمہ اللہ کی دو تصانیف پر نظر ڈال کر لگا سکتے ہیں۔ پہلی تصنیف 'صفۃ صلاۃ النبی ﷺ' ہے، جس میں صحیح احادیث کو اکٹھا کرنے کے بعد شیخ البانی رحمہ اللہ نے انھیں نماز کے ارکان کی ترتیب کے مطابق درج کیا ہے۔ اسی لیے کتاب کا مکمل نام شیخ نے یوں رکھا ہے: 'صفۃ صلاۃ النبي ﷺ من التکبیر إلی التسلیم کأنک تراھا' یعنی تکبیر تحریمہ سے سلام پھیرنے تک نبی ﷺ کی نماز کا طریقہ جیسے آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ اسی طرز پر شیخ البانی رحمہ اللہ کی دوسری تصنیف 'قصۃ المسیح الدجال' ہے، جس میں شیخ نے دجال کے خروج سے لے کر نزول عیسی علیہ السلام اور دجال کے خاتمے تک کے واقعات صرف احادیث میں وارد الفاظ درج کر کے تسلسل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بنیاد بنایا ہے اور درمیان میں جہاں کہیں کسی صحیح حدیث میں اضافہ ملا اس کو اس کے مقام پر درج کر دیا ہے۔ اس کتاب کا پورا نام یوں ہے: قصة المسيح الدجال ونزول عيسى عليه الصلاة والسلام وقتله إياه على سياق رواية أبي أمامة رضي الله عنه مضافا إليه ما صح عن غيره من الصحابة رضي الله عنهم۔ البتہ فرق یہ ہوگا کہ شیخ البانی نے موضوع سے متعلق قولی فعلی، تقریری تمام احادیث کو اکٹھا کیا ہے جب کہ ڈاکٹر صاحب کا اصل مقصد کلام اللہ کی طرح صرف کلام رسول اللہ ﷺ کو اکٹھا کرنا تھا، جسے ابواب کی ترتیب پر ایک ایک جملے کی شکل میں لکھتے چلے جاتے۔

الجامع الکامل کا علمی مقام اور دیگر مشروعات سے موازنہ:

کسی بھی علمی کام کی اہمیت اور حیثیت محض اس کی ندرت میں نہیں بلکہ اس کی علمی قیمت اور فنی اعتبار سے اس کی درجہ بندی میں مضمر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے اس عظیم علمی کارنامے سے متعلق تنقید یا پذیرائی کے باب میں ابھی اہل فن کی طرف سے کوئی خاص حرکت دیکھنے میں نہیں آئی ہے۔ جب یہ سب ہوگا تب اس کی علمی وفنی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ البتہ ذاتی طور پر کوئی بھی فن کا تخصص شیخ سے مفصل کام کا جائزہ لینے کے بعد شخصی طور پر ایک رائے آسانی سے قائم کر سکتا ہے۔ اس جائزہ کا ایک طریقہ اور بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسی طرز پر یا اس سے ملتے جلتے انداز پر انجام پائے علمی کاموں سے ڈاکٹر صاحب کے علمی کارنامے کا موازنہ کیا جائے۔

عصر حاضر میں حدیث کے انسائیکلوپیڈیا کے طرز پر کئی ایک کام ہوئے ہیں جن میں تمام کتب حدیث سے احادیث کو اکٹھا کیا گیا، یا کیا جا رہا ہے۔ انہی میں سے ایک اہم کام 'المدونۃ الجامعۃ للأحادیث المرویۃ عن النبي الکریم ﷺ' ہے، جو دارالعلوم کراچی پاکستان میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی زیر نگرانی جاری ہے۔ پچھلے تقریباً 18 سال سے اس پر 15 علماء کرام کام کر رہے ہیں اور اب تک چار جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ تاہم اس میں اور ڈاکٹر ضیاء الرحمن صاحب کے کام میں بنیادی فرق ہے۔ 'المدونۃ کی دو خصوصیات ہیں:

ایک تو یہ کہ سوائے ان بعض احادیث کے جنہیں بالاتفاق تمام اہلِ علم نے موضوع قرار دیا ہو، تمام احادیث شامل کی جا رہی ہیں، جن میں ضعیف اور شدید ضعیف حتی کہ وہ احادیث بھی جن کو صرف چند اہل علم نے موضوع قرار دیا ہے، شامل کی جا رہی ہیں۔

اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ان احادیث کو ایک بین الاقوامی نمبر دیا جا رہا ہے، اس طرح کہ جب وہ نمبر بتایا جائے تو وہی حدیث سب کے پاس مراد ہو۔ اس طرح طبعات اور کتابوں کے فرق کے باوجود احادیث کی تلاش آسان ہو جائے گی، اور خاص طور پر حوالہ دینے میں مفید ثابت ہو گی۔ ان کے مقابلے ڈاکٹر ضیاء الرحمن صاحب کا کام تحقیقی نوعیت کا ہے، جس میں بنیاد ہی صحیح اور ضعیف کا فرق ہے، اور پھر صحیح احادیث کو یکجا کرنا ہے۔ گویا المدونۃ تمام احادیث کا انسائیکلو پیڈیا ہے، تو الجامع الکامل صحیح احادیث کا انسائیکلوپیڈیا۔

قارئین کے سامنے مکرر اس کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الرحمن صاحب کے حصے میں تمام صحیح احادیث کو یکجا کرنے کے باب میں سبقت کی سعادت آئی ہے، تاہم یہ بات بھی جان لیں کہ اب اس میدان میں ڈاکٹر صاحب آخری نہیں ہیں بلکہ ڈاکٹر صاحب کی حسین حیات ہی اسی قسم کے ایک

پروجیکٹ پر کام شروع ہو چکا تھا، جس کو سن کر ڈاکٹر صاحب خوشی کا اظہار کرتے تھے بلکہ اس نئے پروجیکٹ کے ذمے داروں نے الجامع الکامل کو بھی اپنے پروجیکٹ کے مراجع میں شامل رکھا۔ یہ عظیم پروجیکٹ سعودی عرب کے موجودہ فرماں روا ملک سلمان بن عبد العزیز آل سعود کی ایماء پر مدینہ طیبہ ہی میں قائم کیے گئے مجمع الملک سلمان لطباعة الحدیث الشریف یا مجمع الملک سلمان للحدیث النبوي الشریف میں جاری ہے۔ تقریبا ایک سال سے مختلف اوقات میں فن حدیث کے کم وبیش سو ماہرین نے اس پروجیکٹ پر کام کیا ہے اور یہ پروجیکٹ بھی آخری مراحل میں ہے۔ اس پروجیکٹ پر کام کرنے والے بعض حضرات کی اطلاع کے مطابق اب تک کے اندازے کے مطابق صحیح احادیث کی مجموعی تعداد تقریباً ساڑھے بارہ ہزار ہے۔ یہ منظر عام پر آئے تو پھر ڈاکٹر صاحب کے اور اس پروجیکٹ کے درمیان موازنہ ایک دل چسپ کام ہوگا۔

بالکل اسی طرح شیخ البانی رحمہ اللہ کے وسیع وعریض کام بالخصوص: سلسلة الأحادیث الصحیحة اور سلسلة الأحادیث الضعیفة کے اور ڈاکٹر صاحب کی الجامع الکامل کے درمیان موازنہ بھی ایک اہم کام ہے۔ جلد یابدیر فنِ حدیث سے دل چھپی رکھنے والے اہل علم کی طرف سے یقیناً اس سلسلے میں پیش رفت ہوگی، جس سے ایک طرف صحیح احادیث کے سلسلے میں اور زیادہ قابل اعتماد کام ہمارے سامنے ہوگا اور دوسری طرف ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی صاحب کے اس عظیم کارنامہ کا علمی وزن اور اس کی حیثیت متعین کرنے میں بھی مدد ملے گی۔

الجامع الکامل کی روایت :

بات کو ختم کرنے سے قبل ایک عظیم نعمت کا تذکرہ ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ مختلف کتب حدیث کی روایت کے سلسلے میں پوری دنیا کے مختلف علاقوں میں تقریبا چھ سو لوگوں کو آپ نے اجازہ (سند) دیا ہے۔ ان میں سے ایک خوش نصیب راقم بھی ہے۔ البتہ الجامع الکامل کی روایت کا حق معدودے چند افراد کو ہی دے پائے تھے کہ زندگی کا سفر مختصر ثابت ہوا۔ میری یہ خوش نصیبی ہے کہ ان معدودے چند افراد میں ایک نام میرا بھی ہے۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی حسین حیات ہی تخیص الجامع الکامل کا کام اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ دسمبر 2019ء کے پہلے ہفتے میں جب میں شیخ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا اور پروجیکٹ سے متعلق مفصل گفتگو ہوئی تو ڈاکٹر صاحب نے یہ کہتے ہوئے کہ

"چونکہ تم نے اس پروجیکٹ پر کام کیا ہے، لہٰذا تم الجامع الکامل کے راوی بن جاؤ۔ پوری الجامع الکامل کے روایت کرنے کی زبانی اجازت مرحمت فرمائی تحریری سند دی اور ساتھ ہی ایک پین ڈرائیو (pen drive) میں الگ سے الجامع الکامل کا معتمد نسخہ بھی عنایت فرمایا۔ اس طرح شیخ مجھے اپنی تحقیق کے مطابق جتنی بھی احادیث صحیح قرار پائی ہیں، ان تمام صحیح احادیث کی روایت خود سے لے کر نبی تک کرنے کی سعادت سے مالا مال کر گئے۔ جزاہ اللہ عني وعن المسلمین جمیعا خیرا (جاری ہے)

ڈڈلی میں ڈاکٹر حضرات کی جانب سے سالانہ اجتماعی افطاری

عموماً ڈاکٹر حضرات اور بڑے عہدیدار دین سے کچھ دور اور دنیا میں مگن رہتے ہیں، مگر ڈڈلی میں رسل ہال ہاسپٹل کے ڈاکٹر حضرات دین سے اور مساجد سے وابستہ ہیں، انہوں نے گزشتہ کئی برسوں سے ماہ رمضان المبارک میں جامع مسجد ڈڈلی اور کمیونٹی سنٹر کے لوگوں کے لیے اجتماعی افطاری کا اہتمام کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرب ثاقب نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اس مسجد میں افطاری کرنے والے تقریباً چار پانچ سو خواتین وحضرات، ڈاکٹر حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ تقریباً 30 سال قبل جب اس کا آغاز کیا گیا تھا، تو ہر چیز ارزاں تھی، مگر آج کل گرانی آسمان پر پہنچ گئی ہے مگر ہمارے ڈاکٹر حضرات نے اس میں کمی نہیں کی ہے، بلکہ مزید پر تکلف دعوت کرتے ہیں۔ حدیث میں افطار کرنے والوں کے حق میں ایک خاص دعا آئی ہے:

أفطر عندكم الصائمون و أكل طعامكم الأبرار وصلت عليكم الملائكة

"آپ کے پاس روزہ داروں نے افطار کیا اور آپ کے کھانے کو نیک لوگوں نے تناول کیا اور فرشتوں نے تم پر رحمت وبرکت کی دعا کی ہے۔"

ہم نے بھی یہی دعا ڈاکٹر حضرات کے لیے کی ہے اور کہا کہ اللہ کریم آپ کی ہیلتھ اور ویلتھ میں ترقی عطا فرمائے اور آپ کے دین اور دنیا میں برکت دے اور آپ کے بزرگوں کو بخش دے اور آپ کی نسلوں میں خالص توحید وسنت کو جاگزیں فرمادے۔

جن ڈاکٹر حضرات نے اس کار خیر میں حصہ لیا، چند اسمائے گرامی یہ ہیں:

ڈاکٹر قطب الدین قادری، ڈاکٹر سہیل بٹ، ڈاکٹر مشتاق احمد، ڈاکٹر شہزاد شفقت، ڈاکٹر ارشد خان، ڈاکٹر طارق محمود، ڈاکٹر اظہر منیر وغیرہم

ڈاکٹر ثاقب نے کہا کہ اس مسجد کی تعمیر میں ان ڈاکٹر حضرات کا بھی حصہ ہے، اللہ کریم اسے ان کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

مسجد کی کمیٹی اور معززین نے بھی تمام معاونین کا شکریہ ادا کیا۔

اسی طرح جناب عمران خلیل نے ڈڈلی مسجد میں اجتماعی افطار کا اہتمام کیا اور مولانا حبیب اللہ اثری کے فرزند ڈاکٹر نبیل اپنے چار دوستوں کے ہمراہ ڈڈلی میں اجتماعی افطار کا اہتمام کیا، اسی طرح حاجی ظفر اقبال جنجوعہ اور راجاندیم قیصر نے بھی یہاں اجتماعی افطار کا اہتمام کیا۔ اللہ کریم ان تمام معاونین ومنتظمین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے دین اور دنیا میں برکت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب ڈڈلی



بحث دو م در تحقیق مفہو م بدعت و صفیه

مسئله ثا نیه۔ سعی کر دن در تحصیل مقا م فنا ئے علمی و انسلا خ و اضمحلا ل و انکشا ف مغیبا ت مثال و واردا ت وجد و حا ل و غیبت و استغراق و سکر و شطح و عقد ہمه در با ب تا ثیرا ت کو نیه و نفسا نیه و اشرا ف خواطر و القائی گر می در قلوب حضا ر و علم دعوا ت اسماء یا تبر ک جلا لی و جما لی ہمه از قبیل بدعا ت حقیقیه است چه ہر که بایں امور اشتغا ل مینما ید آ نرا از جنس امو رے که مو ر ث قر ب الی الله با شد میشما رد بلکه اکثر ہمیں امور را حقیقت احسا ن که در شر ح مطلو ب ست میدا نند

مسئله ثا لثه۔ تعیین اورا د و ا ذکار و ریا ضا ت و خلوا ت و ار بعینا ت و نوا فل عبادا ت و تعیین اوضاع اذ کار از جہر و ا خفاء و ضر بات و اعداد و مرا قبا ت بر ز خیه و التزا م طاعا ت شا قه ہمه از قبیل بدعا ت حقیقیه است به نسبت اکثر طلّا ب که آ نرا اصل کمال شر عی یا از مکملات آ ں میدا نند اما به نسبت خوا ص که آ ن را محض از قبیل وسا ئل دا نسته در تعلیم وتر ویج آن سعی می کنند پس از قبیل بدعا ت حکمیه با شد آ رے اخص الخوا ص که محض بنا بر ہدا یت چندے از اغبیاء که نفوس ایشا ن در مر تبه قصوی از غبا وت یا عصیا ن واقع شده اند اگر تعلیم امور مذ کوره کر ده با شند و ایشا ں را بنما یش ایں با غ سبز بسوئے دا م اطاعت حق کشیده با شند و صرف بنا بر اصلاح استعداد نا قصه ایشا ن بقدر حا جت وضرورت بطور وسا ئل بے التزا م و تر و یج و اہتما م بکار بر ده با شند و وقت حصو ل مقصو د آ نرا تر ک داده با شند۔ پس ہر چند تعلیم امور مذ کوره که از ایشا ں در بعضے احیا ن به نسبت بعضے اذہا ن بحسب اتفاق و رعا ئت مصلحت وقت بو جود آمد به نسبت ایشا ں از قبیل بدعا ت نبا شد۔ اما کلا م دریں مقا م در اکثر اہل زمان ست که آ نرا مثل شریعت مستمره و طر یقه مسلو که مے شنا سند (تیسرے مسئلے کی فارسی عبارت جناب بٹا لوی نے اشاعة السنه جلد ۲۰ کے صفحه ۳۵۰ میں ایضا ح الحق کے صفحه ۲۵ سے نقل کی ہے ۔ جس سے معلوم ہو تا ہے که زیر نظر دونوں نسخو ں کے علاوه بھی کو ئی نسخه طبع شده مو جود تھا اور وه شا ئد بلا تر جمه تھا ۔ کیو نکه نسخه نمبر ایک ۱۳۰۱ھ وا لے میں یه عبارت صفحه ۳۸ پر ہے ۔ اور نسخه نمبر ۲ یعنی نسخه اشرفیه میں یه عبارت ص ۴۶ پر ہے ۔ بہاء)

مسئله را بعه ۔ تعیین اعداد و اشخا ص و اوقا ت و اجناس در با ب ختم و تو شه و عقد محا فل سماع صوفیه و محافل کتا ب خوا نی و مر ثیه و ما تم و سا ختن تعز یه وسدّه و علم و عقد ذکر شہادت حضرت امام در ایا م عاشورا و تعیین چہلم و سیو م و اعرا س و تدا عی بر اجتما ع در با ب زیا رت قبور و تعیین اوقا ت برا ئے آ ن و مر قبه برا ں و قرأة قرآن بر سبیل اجتماع برا ن و تعین اوقا ت تصدق عن المیت و التزا م قرأة فا تحه و اخلاص و تعظیم آ ن و تعیین جنس آن و مصرف آ ن و استمداد از اہل قبور و تقبیل قبور و طوا ف آ ن و آ ستا نه بوسی و قیام رو برو ئے آ ن بجہت تعظیم و اندا ختن چادر وگل و غلاف بر آ ں و غسل داد ن قبور و روشنی نمو دن و اجتما ع کر دن به نیت تقر ب بر آن و تعیین نماز ہو ل برا ئے اموا ت و اذا ن بر قبور بعد فرا غ از دفن و امثا ل از امور بے شمار ہمه از قبیل بدعات حقیقیه است به نسبت اہل زما ن که این ہمه امور را تعبداً بعمل مے آ رند مگر به نسبت بعض اخص الخوا ص که نز د ایشا ں این امور مذ کور محض لغو با شند و و فقط بنا بر موا فقت اہل زما ن بعمل مے آ رند که امور مذکوره به نسبت ایشان از قبیل بدعا ت حکمیه باشد اگر از شبہا ت شر عیه و منکرا ت دینیه نبا شد

مسئله خا مسه ۔ استحسا نا تِ اکثر متا خر ین از فقہاء و صوفیه که محض بنا بر ظن حصو ل بعضے منا فع دینیه و مصا لح شر عیه بدو ن تمسک بد لیلے از دلا ئل شر عیه عبادا ت یا معا ملا ت اخترا ع مے نما یند یا تحدید اصلی از اصول دینیه بحدود خا صه احدا ث می کنند تا تر ویج امری که خا مل (دید نی است۔ یه لفظ ۱۳۰۱ھ والے یعنی نسخه نمبر ایک میں نہیں ہے ۔ بہاء) در قرو ن سا بقه بود وبروئے کار می آ رند یا احتما ل امر ے که در آ ن از منه مروج بود بعمل مے آ رند مثل نماز معکو س و و جو ب تقلید شخصے معین از آ ئمه مجتهد ین و ہبه ثوا ب عبا دات احیا برا ئے اموات بخلا ف نیا بت در عبادات ما لیه که آ ن ثا بت ا لا صل است و مثل تحدید ذکر کلمه تہلیل با و ضا ع مخصو صه از اعداد و ضر با ت و جلسا ت و تحدید ماء کثیر بعشر فی العشر و تر ویج انزدا بنا بر اشتغا ل بعبا دت و مطا لعه کتب و ترویج

مسا ئل قیا سیه و کشفیه و استغراق
بجمیع ہمت خود در آ ں و احتما ل
ظا ہر کتا ب و سنت مگر بطر یق تبر
ک و تیمن و ا حتما ل امر معروف و
نہی عن المنکر و عدم مبا لا ت و با قا
مة جہاد لسا نی و سنا نی و امثا ل این
امور محد ثه شان را ا ختراع میکنند
باز آ نرا دد ا حکا م شر عیه و عبادات
دینیه و منا قب ایما نیه مند رج میسا
زند ہمه از قبیل بدعات حقیقیه
است و آ نچه در مقا م عذرا ن میگو
یند که ہر چند این امر محد ث است
اما مشتملبر مصلحتے از مصالح دینیه
است یا ا صل آ ن در شر ع ثا بت ست
اگر چه خصو صیت مذ کوره محد ث
با شد پس مجر د این عذر امور مذ کور
را از حد بدعا ت خا ر ج نمی گر دا
ند۔ آ ری تحقیق آ نکه این بدعت
حسنه است یا قبیحه پس عنقریب
انشا ء الله تعا لی در فصل ثا نی مذ
کور خوا ہد شد و اکثر قد ماء که قیاس
را تقبیح کر ده اند از لفظ قیاس ہمین
معنے مذ کور مراد داشته اند نه قیاس
شر عی که حمل النّظیر علی النّظیر
است

فا ئده ثا نیه: در بیا ن آ نچه در بدعت
حکمیه مند ر ج است و آ ن مشتمل
است بر چند مسا ئل

مسئله او لی استغراق ہمه در تحصیل
تبحر علو م الهیه به تتبع مسا ئل غر
یبه علوم غریبه که در فہم کتا ب و
سنت که مبنا ئے آ ن بر محاورا ت عر
فیه ست نه بر لطا ئف شعریه چندا ں
د خل نمے دارد و مثل تد قیق زا ئد در
دقائق منطقیه و الهیا ت و طبیعا ت
فلسفیه و تعمق زا ئد در قوا عد اصو
لیه و کلا میه و اسفار فقهیه و مہارت
ابوا ب دانشمندی از فن منا ظره و جد
ل و با ب توجیه ز طرق در آ مد مر کلا
م غیر بر سبیل ابطا ل و یا تو جیه و
طر ق سد ابواب در آ مد مخالف از
با ب تقیید و تحدید و تو جیه و تا ویل
و امثا ل آ ں از امو رے که مجیبا ن
دانشمند بعمل مے آرند و در میا ن امثا
ل خود بآ ں تفا خری می نما یند و در
تحصیل ا حا طه نوا در اشعار و قوا عد
عرو ض و در ضبط مسا ئل فرضیه
فقهیه متو هم الوقوع و در اشتغا ل بر
یا ضیا ت و فن توا ر یخ و فن تکثیر و
نقو ش و امثا ل آ ن از فنو ن نادره
ہمه از قبیل بدعا ت حکمیه است به
نسبت عقلاء اہل زما ن که حصو ل
امور مذ کوره را از جنس قر با ت الله
و محا مد شر عیه نمیداند اما عمر گرا
ں ما یه را در تحصیل امور مذ کوره بو
جہی ا ضا عت مینما یند که طا لب
حق اوقا ت عز یزه خود را در تفتیش
اصو ل دین و تحقیق احکا م شر ع
متین صرف مینما ید و بآ ں ا ضا عت
عمر انواع مفا خرا ت و مبا ہا ت مه
نمایند و از جنس مدا ئح و منا قب
میشما رند چنا نچه تمد ح بایں سفا
ہت و اسرا ف عمر در میان ایشا ں
جاریست و مثال این سفیہائے
مسرفین عمر را بسبب حصو ل این
امور مذ کوره بنظر توقیر و ا جلا ل مے
بینند اگر چه ذره از طلب راه دین ندا
شته باشند و تخمی از خشیت که
شعار علماء است در دل نکا شته و جو
ئے از علم و عمل از خر من سنت نه
برداشته و قا عدین این فنو ن را بنظر
حقیر و اہا نت مے بینند اگر چه بشعار
طلب حق معلم با شند و به تفتیش
سنت وابسته بلباس تقوی لا بس
سبحا ن الله این حا ل عقلاء زما نه
است که خود را در زمره علماء مے
شما رند و وا ئے بر حا ل سفہاء یعنی
جہال طلبه علم که جہل مذکور را
عین علم میدا نند و اسرا ف و سفا
ہت را عین قر بت و عبادت و ہمین
سفہائے مسر فین را علماء مستند ین
می شما رند پس این امور مذ کوره به
نسبت ایشا ں از اقبح بدعا ت حقیقیه
است و افحش منکرا ت شر عیه و آ
نچه در باب طلب علم و افاده علماء
در سنت وا رد گشته ہمین قدر است
که چنا نکه سپا ہیا ن اطاعت شعار و
خد مت گا را ن کا ر گزار که ملاز ما ن
سلا طین کبار و متعلقا ن سر کار امرا
ئے عا لی مقدار میبا شند شب و روز
در تفتیش احکا م مند ر جه پروانجا ت
که در با ب نظم و نسق کارو بار ایشاں
گر دیده مشغو ل میما نند و بمجرد
اطلاع بر ا حکا م مذ کوره در سرانجا
م دادن مہما ت مطلو به سر گر م
میگر دند لیکن از بسکه تحریر پروا نجا
ت بنوا حِ ہندوستان در زبا ن فارسی
مر و ج است و بر بعضے اصطلا حا ت
آ ئین ا حکا م مشتمل میبا شد و بعضے
از ایشا ں بز با ن فارسی مہارت مے دا
ر ند و بعضے نه ہم چنین بعضے بر
اصطلا حا ت مند ر جه بسبب ملاقا
ت با حضار در بار اطلاع مے دار ند و
بعضے نه بنا بر آ ن چنا نکه بر ذمهء نا
واقفا ن مذ کو رین سر انجام کر دن ا
حکا م مذ کوره لازم است ہمچنین
تفتیش آ ن از واقفا ن نیز لاز م چنا نکه
بر ذمه واقفا ن امتثا ل ا حکام مذ کور
لازم است ہم چنین اعلام نا واقفا ن
نیز و ہر گا ه که نا واقفا ں بر آ ں احکا
م مطلع گر دیدند ایشا ں ہم مثل
جماعت اول وا قف گر دید ند گو
بصفت خط وکتا بت مہارت ندا شته
با شند پس اعلا م ناوا قفا ں دیگر بر
ذمه ایشا ں ہم لاز م گر دید و ہمه ہا
در مقد مه اطاعت اصل حا کم و امتثا
ل ا حکام او متساوی اند کسے از ایشا
ں به سبب وا قفیت مذ کوره اصل حا
کم نشده دیگر ے بسبب شنید ن
احکا م خود از زبا ن آ ن شخص اول از
زمره نو کرا ں او نگر دیده بلکه ہمه
بارا با ید که در سر انجا م کر دن
مہمات مذ کوره کو شش نما یند و از
گفتگو ئے فضو ل که در امتثا ل ا حکا
م مذ کوره چندا ں د خل نمیدارد اجتنا
ب در زند ہم چنین بند گا ن حق جل
و علا را با ید که دا ئماً در تفتیش ا حکا
م مند ر جه قر آ ن مجید مستغر ق
الهمت با شند لیکن ازبسکه قر آن

مجید در زبا ن عربی است و مشتمل بر اصطلاحا ت شر عیه پس آ نا نکه بلسان مذ کور مها رت نمیدارند و بر اصطلا حات مسطوره مطلع نشده اند لا بد بر ذمه ایشا ں استفسا ر این معنی از ما ہرا ن لسا ن عر بی و واقفا ن سیرة نبوی لازم آ مد و اعلا م نا واقفا ں بر ذمه وا قفا ن واجب گر دید و بعد اطلاع بر ا حکام شر عیه امر با لمعرو ف و نہی عن المنکر بر ذمه ہمه کس وا جب شد و احتراز از تدقیقا ت زا ئده شعار عبو دیه شمر ده شد و تقلید محض به نسبت انبیاء علیهم السلام ہمه کس را لاز م آ مد بالجمله تقلید نبی امی فخرما ست تا ج لقد کان لکم فی رسول اللّٰه اسوة حسنة بر سر دا ریم و خلعت نحن امّة امّیّة لا نکتب ولا یحسب در بر از ہمه فنو ن دا نش مندی و صنا ئع فضیلت نما ئے بیزا ریم واز ما ئده سنت ہا ئے نبو یه ذله بر دار و الحمد للّٰه علی ذلک حمداً کثیراً

مسئله ثا نیه : اہتما م بلیغ بمحا فظت او ضاع محد ثه در با ب زی و لبا س و در با ب رفتار و گفتار و درباب تعیین اوقا ت خلوة و جلوة و ہیئات نشست و بر خاست و تحیة و ملاقا ت و تشخیص افعا ل و اقوا ل مخصو صه درباب تعظیم و اکرا م و خطا ب و کلام و تخصیص بعضے ایا م بعقد محا فل ہم مشر با ن و مجا لس یا را ن و موا نس و عقیدت مندا ن حقیقی و اخلا ص کیشا ن تحقیقی و امثا ل آں که در ار با ب منا صب شر عیه مثل علماء و قضا ة و او لاد و تلا مذه ایشا ں یا در مقلدان کبرا ئے صو فیه مثل سجا ده نشینا ن مشا ئخ کرا م و مریدا ن ایشا ن یا در مدعیا ن مقا م ترک و تجر ید مثل خا نقا ه نشینا ن و سر گرو ہا ن آ زا دا ن قلند ریه و مدا ر یه و جلا لیه و اتبا ع ایشا ن که محض بنا برحفظ شعار منصب خود و اسلا ف خود و رعا یت امتیاز خود و کبراء خود از سا ئر مسلمین مروج گر دیده مثل اجتنا ب از نکاح باوجود استطا عت محض بنا بر حفظ عنوا ن درویشی یا ا حتراز از مکا سب معا شیه با و جود فرا غت اوقا ت از ضروریات معا دیه و معا شیه و با و جود عروض افلاس و سنوح حاجات بحدی که با عث تحمل مذ لات سوال حالے و قالے گر دند پس با وجود این ہمه محض بنا بر حفظ عنوا ن خاندان مکا سب را از جنس بوا عث لحو ق آرد و مو جبات عود شنا عت شمر ده ازاں اجتنا ب مے در زند اگر چه آ نرا از ممنو عا ت شر عیه نمے دا نند و مثل احدا ث تعظیما ت قولیه و فعلیه در مقا م سلام علیک ومصا فحه عند الملاقات و مثل اعتنائے شدید بترویج القاب مشعره بر مناصب شرعیه رفعیه مثل مولوی فلا نے و شاه فلا نے و امثال آں از امور بیشمار که تعداد آ ں دریں چند اوراق خیلے متعذر مینما ید ہمه از جنس بدعات حکمیه است به نسبت عقلاء ایشاں که امور مذ کوره را با و جو دے که از جنس لغو و لا طائل دا نسته اند محض بناء حفظ عنوان خاندان بعمل مے آ رند و اما به نسبت سفهاء ایشا ن که امثا ل این مقا ما ت را عین کما لا ت دانسته اہتمام بمحافظت این اشیائے محد ثه بیش از بیش بر روئے کارمے آرند پس امور مذکوره به نسبت ایشاں از قبیل بدعات حقیقیه است که از عنوانات مناصب شر عیه شمر ده میشود و اما آ نچه از عنوا نات امور معا شیه شمر ده میشود مثل وردی سپا ہیا ن و امثا ل ایشا ں پس از ما نحن فیه خا ر ج است۔

☆☆☆

صدقۃ الفطر نماز عید سے پہلے دیا جائے

صدقۃ الفطر نماز عید سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے، آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسی کی ہدایت فرمائی ہے، اور صحابہ کرام تازندگی اسی پر کاربند رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے نماز کے لیے نکلنے سے پہلے صدقۃ الفطر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔(بخاری شریف)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ فَمَنْ اَدَّاها قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ زَكٰوةٌ مَقْبُوْلَةٌ وَمَنْ اَدَّاها بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ» (ابوداود،ابن ماجہ)

”آنحضرت ﷺ نے روزہ دار کے روزہ کو بے ہودہ گوئی اور فحش کلامی سے پاک کرنے اور غرباء و مساکین کی خوراک مہیا کرنے کے لیے صدقۃ الفطر فرض کیا ہے، جو شخص نماز سے پہلے یہ صدقہ ادا کرے، اس کا صدقہ قبول ہے (اس کے لیے یہ دونوں مقصد حاصل ہو جاتے ہیں) اور جو شخص نماز کے بعد ادا کرے، تو (صدقۃ الفطر ادا نہ ہو گا بلکہ) یہ دوسرے نفلی صدقات کی طرح ایک صدقہ ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ

نماز کے بعد صدقۃ الفطر ادا کرنا نہ دینے کے برابر ہے، البتہ اگر کسی نے گھر کے تمام افراد کی طرف سے فی کس ایک صاع کے حساب سے غلہ یا اس کی قیمت الگ کر دی ہے، کچھ مساکین میں تقسیم کر دی ہے، اور کچھ بعض غرباء کو دینے کے لیے رکھ لی ہے، جو اس وقت وہاں موجود نہیں ہیں، تو میں کوئی مضائقہ نہیں، نماز کے بعد ادا کرے۔

☆☆☆

